بسم الله الرحمن الرحيم

﴿وَأَن لَّيۡسَ لِلۡإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّ سَعۡيَهُۥ سَوۡفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجۡزَىٰهُ ٱلۡجَزَآءَ ٱلۡأَوۡفَىٰ ﴿٤١﴾
وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ ٱلۡمُنتَهَىٰ ﴿٤٢﴾﴾

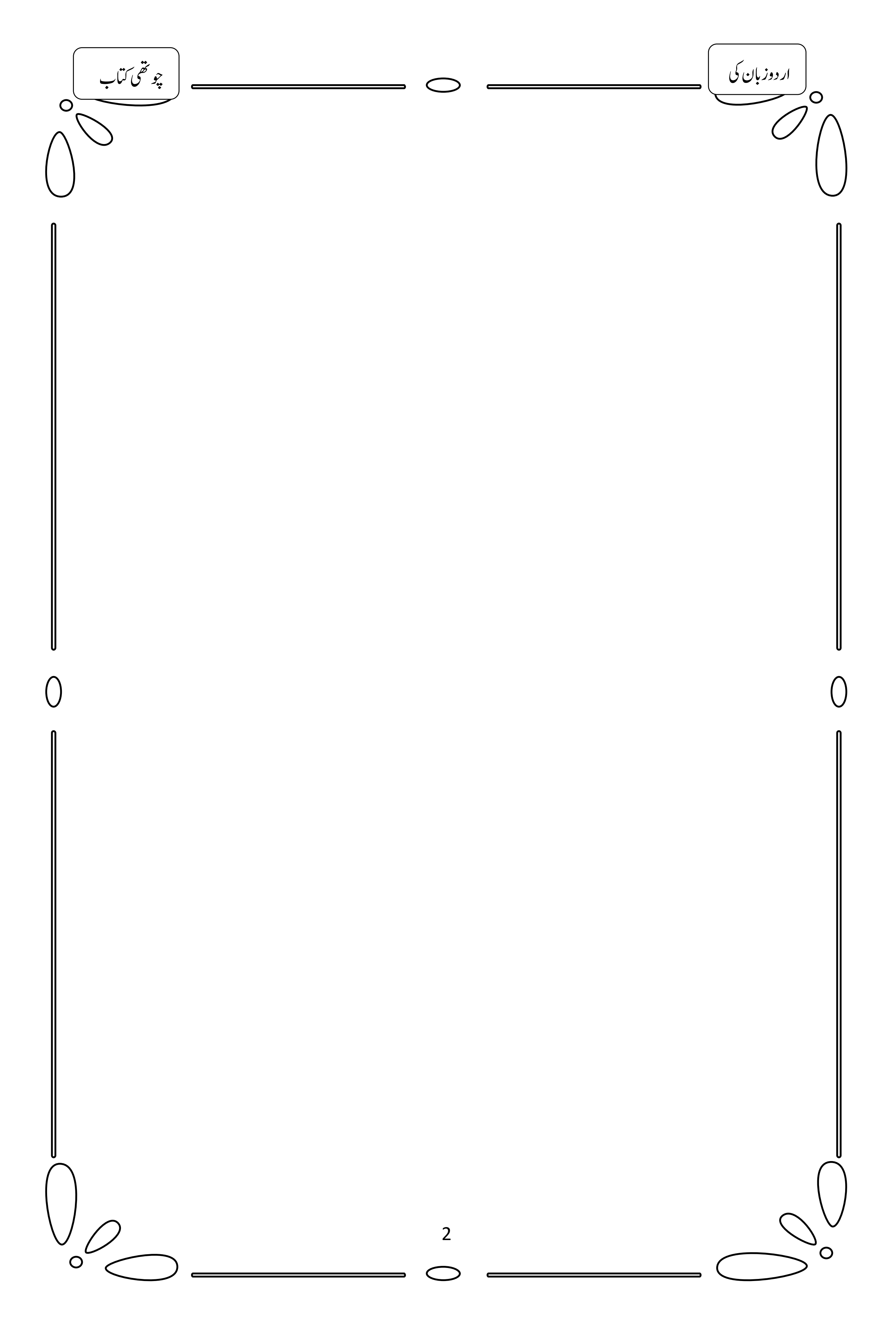
اردوزبان کی چوتھی کتاب

برائے مدارس اسلامیہ

الجمع والترتيب

جامعة الكوثر الإسلامية

ميتني ـ ماندلي ـ ميانمار



فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کی یاد

جو نظم خدا کی تعریف میں لکھی جاتی ہے اسے 'حمد' کہتے ہیں۔ اس نظم میں شاعر نے خدا کی تعریف کی ہے کیوں کہ اس نے ہم کو انسان پیدا کیا اور ہمارے فائدے کے لئے آسمان اور زمین میں بے شمار چیزیں بنائیں۔ ہم سب کو چاہئے کہ دل سے اسے یاد کر کے اس کا شکریہ ادا کریں۔

جب روز سویرا ہوتا ہے
جب دور اندھیرا ہوتا ہے
جب دنیا کے اس گلشن میں
پھر نور کا پھیرا ہوتا ہے
ایک ایک کلی کھل جاتی ہے' اور ایک ایک چڑیا گاتی ہے
اس ایسے سہانے منظر میں' اللہ تری یاد آتی ہے
اللہ تری یاد آتی ہے

یہ دنیا رنگ بدلتی ہے
پھر ایک نئ کل چلتی ہے
یہ دنیا ہے میدان عمل
اِس کل سے تان نکلتی ہے

ہر زندہ ہستی اس کی صدا پر کاموں میں لگ جاتی ہے

اس ایسے سہانے منظر میں' اللہ تری یاد آتی ہے، اللہ تری یاد آتی ہے

کھیتوں پر دہقان جاتے ہیں

کھیتی میں جان کھپاتے ہیں

دن بھر کی سختی سہہ سہہ کر

آرام کی راحت پاتے ہیں

جب آس ہری کھیتی کی' ان کو محنت پر اکساتی ہے

اس ایسے سہانے منظر میں' اللہ تری یاد آتی ہے

اللہ تری یاد آتی ہے

ہم نیک ارادہ کرتے ہیں

سستی سے ہم ڈرتے ہیں

ہر روز سدا آگے ہی بڑھیں

ایسے جینے پر مرتے ہیں

جب نیکی نور کا پرتو بن کر چہروں کو چمکاتی ہے

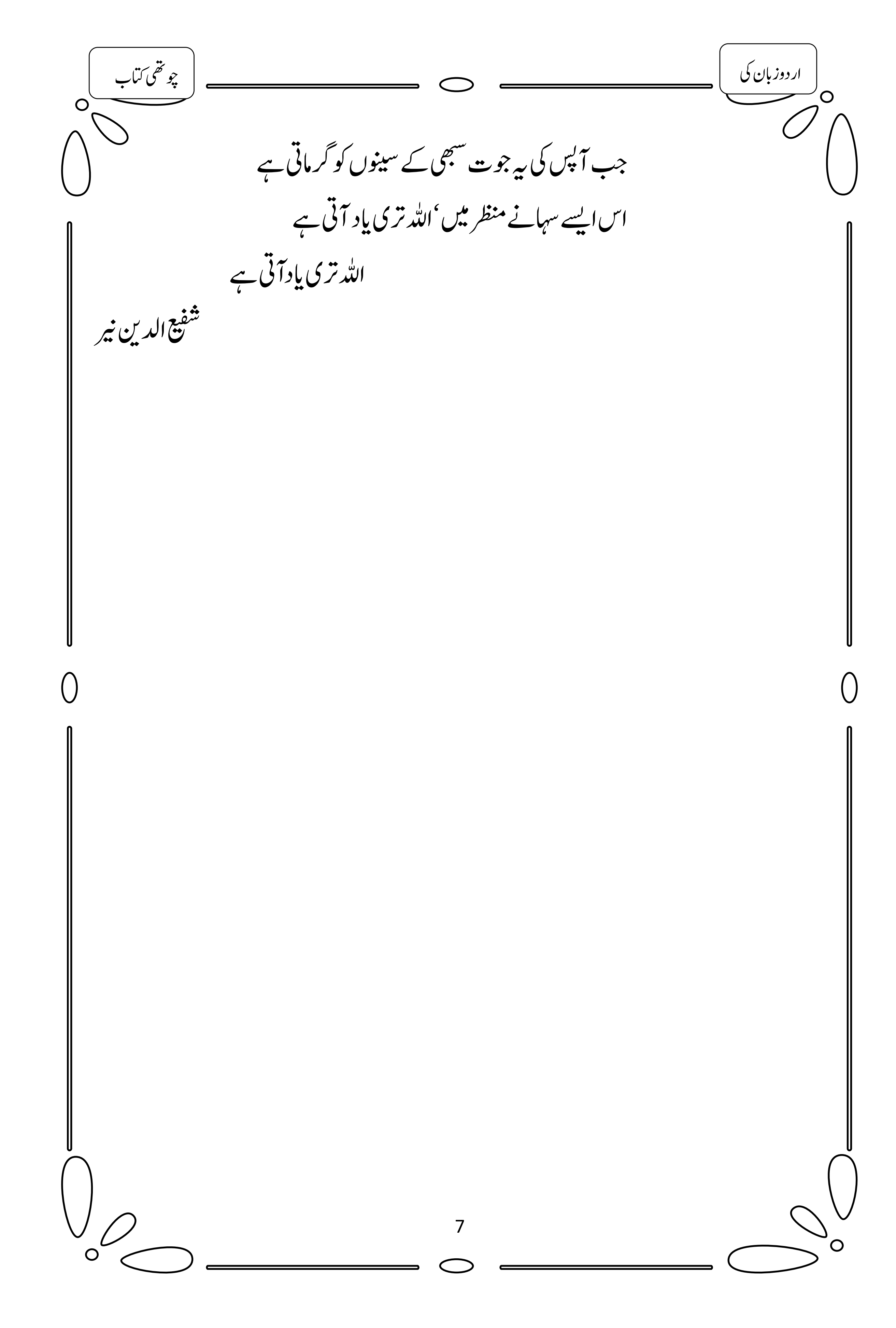
اس ایسے سہانے منظر میں' اللہ تری یاد آتی ہے

جب ہم سب پڑھنے آتے ہیں

آپس میں گھل مل جاتے ہیں

جب سب کے سب خوش ہو ہو کر

نیرّ کا نغمہ گاتے ہیں



جب آپس کی یہ جوت سبھی کے سینوں کو گرماتی ہے
اس ایسے سہانے منظر میں' اللہ تری یاد آتی ہے
اللہ تری یاد آتی ہے

شفیع الدین نیر

الہامی کتابیں

خالق کائنات کون ہے ؟ یہ تم خوب جانتے ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے اس نے صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ ہماری ساری ضروریات بھی وہ ہی پوری کرتا ہے؛وہ ہی سب کا مالک ہے ؛سب کا پروردگار ہے ؛اسی لئے سب کا مالک اور حاکم بھی ہے۔اس نے زمین و آسمان بنایا ؛انہیں طرح طرح سے آراستہ کیا ؛پھر زمین پر انسان بسائے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا؛اپنی بنائی ہوئی بہت سی اشیا پر انہیں تصرف کی آزادی بخشی ؛اب یہ کام انسانوں کا ہے کہ اللہ اس کی زمین پر اللہ تعالی کی مرضی پوری کریں اور اس کی بخشی ہوئی اشیأ کو اس کی ہدایت کے مطابق کام میں لائیں۔

اللہ کی مرضی کیا ہے؟اس کی بخشی ہوئی اشیأ کو کس طرح کام میں لائیں ؟اس کے بتانے کا بھی اللہ تعالی نے انتظام فرمادیا ہے۔وہ بڑا رحمان ورحیم ہے۔اس کا سارا انظام ہی رحمت پر مبنی ہے۔بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ انسان کو اتنا اونچا منصب عطا کرنے کے بعد اس کی ذمہ داریاں نہ بتاتا ؛اور اسے بھٹکنے اور ذلیل وخوار ہونے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔اس کام کے لیے اللہ تعالی نے بہت سے انبیأ بھیجے ۔اللہ تعالی کے یہ محبوب بندے اللہ کی مرضی بتانے ؛اس کے احکام سنانے ان پر چل کر دکھانے کے تشریف لانے تھے۔اللہ تعالی کی طرف سے وقتاً فوقتاً انھیں جو ہدایت ملتیں ان کو نوٹ کرادیتے ؛یا کتابی شکل میں مرتب کرادیتے تھے۔ان کتابوں میں انسانوں کے لئے زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ ہوتا تھا۔اللہ ہی کے الفاظ میں انسانوں کے لئے ہدایات ہوتی تھیں۔یہ کتابیں انبیأ کی موجودگی میں بھی کام آتی تھیں ؛اور ان کے تشریف لے جانے کے بعد بھی انسانوں کی ہدایات کا سرچشمہ ہوتی تھیں یہی الہامی کتابیں کہلاتی ہیں۔انبیأ کے واپس جانے کے بعد کچھ دنوں تک ان کی امت کے افراد ان کتابوں کی حفاظت کرتے ؛ان میں دی ہوئی ہدایات کے مطابق عمل کرتے۔انجان اور غافل

بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے ؛ مگر آہستہ آہستہ کئی نسلوں کے بعد جب ان کے جذبات سرد پڑجاتے؛ امت میں برے لوگوں کی تعداد بڑھنے لگتی ؛ برائیوں سے روکنے والوں اور بھلائیوں کو فروغ دینے والوں کی آواز مدہم پڑجاتی ؛ دلوں سے اللہ کی کتاب کا احترام اٹھ جاتا یا شریر لوگ اس کے احکام بدل ڈالتے ؛ یا لوگوں کی غفلت سے ان کتابوں کا بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا اور ہدایت کے لیے انسانوں کے پاس کچھ باقی نہ رہتا تو اللہ تعالی کوئی دوسرا نبی بھیجتا اور اس کے ذریعہ ہدایات وفرامین ارسال فرماتا۔ اس طرح برابر یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان کتابوں کی صحیح تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے؛ البتہ جن کتابوں کا ذکر کلام پاک میں ہے ان کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔

ا۔ صحف ابراہیم۔ یہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے ہیں۔ ان صحیفوں کی ٹھیک تعداد معلوم نہیں ہے۔ نہ اب وہ دنیا میں کسی حیثیت سے موجود ہی ہیں۔

۲۔ توریت ۔ یہ کتاب ؛ اللہ تعالی نے اپنے برگزیدہ نبی حضرت موسی علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی ۔ بہت دنوں تک یہ کتاب انسانوں کے لیے مشعل ہدایت بنی رہی۔ بالآخر یہود نے اپنی شرارت سے اس میں تحریفات شروع کیں۔ ایک ایک کر کے اس کے بہت سے احکام بدل ڈالے۔ اللہ کی آیات کی من مانی تاویلیں کیں۔ غرض اللہ کی کتاب کے ساتھ ہر ناروا ظلم کیا مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ کا کچھ بگڑا نہیں؛ خود ذلیل وخوار ہوئے اور شمع ہدایت سے محروم ہو کر تاریکی میں بھٹکنے لگے۔

۳۔ زبور۔ یہ سیدنا داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ یہود نے اس کتاب کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جو وہ توریت کے ساتھ کر چکے تھے۔ ایک مدت سے اللہ کی کتابوں کے ساتھ کھیل کرتے کرتے یہ قوم انتہائی بیباک ؛ سرکش اور باغی ہو چکی تھی۔ بالآخر اللہ نے یہ نعمت بھی ان سے چھین لی۔

۴۔ انجیل۔ یہ کتاب حضرت عیسی علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ آپ کے واپس بلا لیے جانے کے بعد عیسائیوں نے اس میں بھی تحریفات شروع کیں۔ آہستہ آہستہ یہ کتاب بدل ڈالی گئی۔ اس کتاب میں

تحریفات کا سلسلہ اب برابر جاری ہے حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ان تینوں الہامی کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی اپنی اصلی حالت پر باقی یہ رہی تھی۔

۵۔ قرآن حکیم۔ یہ کتاب اللہ تعالی کے آخری رسول سرور کائنات حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آج دنیامیں اللہ تعالی کی آخری اور مستند الہامی کتاب یہ ہی ہے؛ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالی نے لے لی ہے۔ ابتدا ٔمیں حفظ و تحریر کے ذریعہ محفوظ کرایا۔ اس کے بعد چھاپاخانہ کی ایجاد ہوئی تو لاکھوں کی تعداد میں یہ کتاب دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔ اب بھی یہ ہی وہ کتاب ہے جس کے حافظ ؛ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ملیں گے۔ اسی کتاب میں وہ تمام گر موجود ہیں۔ جن سے نسل انسانی قیامت تک ہدایت حاصل کر سکتی ہے اور اپنے مسائل کا حل نکال سکتی ہے۔ اسی سے اخذ کئے ہوئے اصولوں پر ایسے معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے جس پر اس جہاں میں بھی اللہ کی نعمتوں کی بارش ہو؛ اور آخرت میں بھی اسے کامیابی اور فائز المرامی حاصل ہو سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفأ راشدین کے دور میں دنیا اس کا عملی نمونہ دیکھ چکی ہے۔ اب آئندہ ان خطوط پر دنیا کی تشکیل جدید کا فریضہ تم پر عائد ہوتا ہے۔ اللہ تمہیں توفیق دے! آمین

مشق

ا۔ پہلا پیرا خاموشی کے ساتھ غور سے پڑھو! اور ذیل کے سولات کا جواب دو۔

ا۔ خالق کائنات کون ہے؟ اس نے اپنی مخلوق پر کیا کیا احسانات کئے ہیں؟

۲۔ اس کائنات میں انسان کی کیا حیثیت ہے؟

۳۔ انسانوں کی ہدایت کے لیئے اللہ تعالی نے کیا انتظام فرمایا؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟

۴۔ پچھلی الہامی کتابیں کس طرح ضائع ہو گئیں؟ قرآن کریم کی حفاظت کے لئے اللہ تعالی نے کیا انتظام فرمایا؟

۵۔ ذیل کے الفاظ استعمال کر کے قرآن کریم پر دس مربوط جملے لکھو

حفاظت؛ ہدایت؛ قیامت؛ اصول؛ مسائل؛ معاشرہ؛ تشکیل جدید؛ فائز المرامی

۶۔ ذیل کے الفاظ میں واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھو

فرض؛ خطوط؛ مسائل؛ خلفأ؛ اصول؛ احکام؛ انبیأ؛ تصرف؛ فرامین؛ آیات

۷۔ مندرجہ ذیل کی تشریح کرو

(1) تصرف کی آزادی بخشی (۲) اتنا اونچا منصب عطا کیا (۳) اس کا سارا نظام رحمت پر مبنی ہے (۴) ان کے جذبات سرد پڑ گئے (۵) مشعل ہدایت بنی رہی (۶) اللہ کی آیات کی من مانی تاویل کیں (۷) معاشرہ کی تشکیل ہو سکتی ہے (۸) ان خطوط پر دنیا کی تشکیل جدید کا فریضہ تم پر عائد ہوتا ہے۔

اٹھ کہ خورشید کا سامان تازہ کریں
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کریں

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالی

محسن انسانیت ﷺ

مندرجہ ذیل اشعار اردو کے مشہور قومی شاعر خواجہ الطاف حسین حالی کی ایک طویل نظم "مدو جزر اسلام" سے لیے گئے ہیں اس نظم کو "مسدس حالی" بھی کہتے ہیں۔ اِن اشعار میں انھوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغِ اسلام کے انداز کو پیش کیا ہے)

اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم
اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم
اسی کی طلب میں مرو گر مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کو بڑائی

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لایق
زبان اور دل کی شہادت کے لایق
اسی کے ہیں فرماں اِطاعت کے لایق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لایق

لگاؤ تو لَو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

ڈرایا تعصّب سے اُن کو یہ کہہ کر
کہ زندہ رہا اور مرا جو اِسی پر

ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر
وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اُس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اس محبت کو بہرہ
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا
غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی
کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تا کہ لو اس سے اپنی پرائی
نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی
طلب سے ہے دنیا کی گڑیاں یہ نیت
تو چمکو گے داں ماہِ کامل کی صورت
کہیں حفظِ صحت کے آئیں سکھائے
سفر کے کہیں شوق اُن کو دلائے
مفاد ان سوداگری کے سجھائے
اصول اُن کو فرماں دہی کے بتائے
نشاں راہ منزل کا اک اک دکھایا
بنی نوع کا اُن کو رہبر بنایا

خواجہ الطاف حسین حالی رحمہ اللہ

حضور ﷺ کی نصیحتیں

جناب نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف نصیحتیں فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ کی ہر نصیحت آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، چنانچہ جس خوش بخت نے بھی ان نصائح پر عمل کیا وہ دونوں جہاں سرخ رو ہوا، دارین میں اس کو سکون ملا، آپ ﷺ کی یہ نصیحتیں قیامت تک کے لئے ہیں۔ جو مؤمن بندہ بھی ان پر عمل پیرا ہو گا، وہ کامیاب و کامران ہو گا۔

ہم آپ کے سامنے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ کی مخصوص نصیحتوں کا ذکر ہے، چنانچہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "یارسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں اللہ تبارک وتعالی سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ تقوی تمہارے تمام کاموں کو بہت زیادہ زینت بخشنے والا ہے۔" میں نے عرض کیا: "مزید کچھ نصیحت فرمائیے" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کو اپنے لئے لازم اور ضروری سمجھو، کیونکہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ تمہارے لئے آسمان میں ذکر کا موجب ہو گا اور زمین پر نور کا سبب ہو گا (یعنی جب تم تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں مشغولیت اختیار کرو گے تو اس کے سبب سے آسمانوں میں فرشتے تمہارا ذکر کریں گے، بلکہ حق تبارک وتعالی بھی تمہیں یاد کرے گا اور اس دنیا میں تمہارے لئے معرفتِ یقین اور راہ ہدایت کا نور ظاہر ہو گا)"۔

میں نے عرض کیا: "میرے لئے کچھ اور نصیحت فرمائیں" آپ ﷺ نے فرمایا: "طویل خاموشی کو اپنے اوپر لازم کر لو، کیونکہ خاموشی شیطان کو دور بھگاتی اور دینی امور میں تمہاری مدد گار ہوتی ہے (یعنی خاموشی پر مداومت اختیار کرنے کی وجہ سے تمہیں اللہ تبارک وتعالی کی نعمتوں میں

غور و فکر کرنے کا زیادہ موقع نصیب ہو گا اور اس کے علاوہ خاموشی کا سب سے بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے تم اپنے آپ کو شیطان کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکو گے، جو زبان کے راستے سے عملی زندگی میں سرایت کرتا ہے اور دنیا و آخرت کے زبردست نقصان میں مبتلا کرتا ہے)۔"

میں نے عرض کیا: "مزید نصیحت فرمائیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

بہت زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور چہرے کی نورانیت کو ختم کر دیتا ہے۔ (یعنی زیادہ ہنسنے ہنسانے کی وجہ سے چونکہ دل پر بے حسی اور غفلت کی تاریکی چھا جاتی ہے اور علم و معرفت کا نور بجھ جاتا ہے جس پر دل کی حیات کا دار و مدار ہے جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بے رونق ہو جاتا ہے)۔"

میں نے عرض کیا کہ اور مزید نصیحت فرمائیں! تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سچی بات کہو اگرچہ وہ کڑوی ہو (اظہار حق میں جو بات سچ ہو اس کو ضرور ظاہر کرو، اگرچہ اس کی وجہ سے لوگوں کو اور خود تمہارے نفس کو ناگواری محسوس ہو)"۔

میں نے عرض کیا: "مزید کچھ نصیحت فرمائیں۔" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تبارک و تعالیٰ کے دین اور پیغام کو ظاہر کرنے میں اور اس کی تائید و تقویت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مت ڈرو۔"

میں نے عرض کیا: "مزید نصیحت فرمائیے۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

"چاہئے کہ وہ چیز تمہیں لوگوں کے عیوب ظاہر کرنے سے روکے جس کو تم اپنے نفس کے بارے میں جانتے ہو۔"

یعنی جب تم جانتے ہو کہ خود تمہارے اندر کیا عیوب ہیں اور تمہارا نفس کن برائیوں میں مبتلا ہے تو پھر تمہارے لئے قطعاً مناسب نہیں ہو گا کہ تم دوسرے کے عیوب پر نظر رکھو اور دوسروں کی

برائیوں پر انگلی اٹھاؤ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے نقطۂ نظر سے تو بے شک کسی کو اس کی برائی پر ٹوکتے ہو اور اس کی راہ است اختیار کرنے کی تلقین کر سکتے ہو، بلکہ تم پر یہ ضروری بھی ہے کہ اگر تم کسی کو برائی میں مبتلا دیکھو تو اس کو اس برائی سے ہٹانے کی کوشش کرو، لیکن محض عیب جوئی اور تحقیر و تذلیل کے خیال سے کسی کی برائی پر انگلی نہ اٹھاؤ اور اس کی غیبت نہ کرو جبکہ اپنی برائی اور اپنے عیوب نظر رکھتے ہوئے خود اپنے کو سب سے زیادہ ناقص اور کمتر سمجھو۔

آپ ﷺ کی ان نصیحتوں کے مخاطب اگرچہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالی عنہ ہیں، لیکن یہ نصائح ان کے ساتھ خاص نہیں ہیں، بلکہ امت کے ہر فرد کے لئے ہیں مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بڑھا ہر ایک کو ان باتوں پر عمل کرنا لازم ہے، ان سب کی بنیاد خوفِ الہی ہے، بس خود تقوی اپنے اندر پیدا کر لیا جائے، اس کے بعد بقیہ تمام باتوں پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالی ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

بیٹے کو نصیحت

علامہ سہر وردیؒ ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ آپ اولیأ اللہ میں سے تھے۔ آپ نے اپنے صاحبزادے کو مندرجہ ذیل نصیحت کی تھی۔ اس کا ایک ایک جملہ ہمارے لیے بھی بہت نفع بخش ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اے میرے لخت جگر !جس میں عقل نہیں اس میں وفانہیں ۔ جس میں سچائی نہیں وہ انسانیت ومروت دونوں سے بے بہرہ ہے جس میں حیا نہیں وہ شریف انسان نہیں۔

کوئی خزانہ کسی دور میں علم سے ے زیادہ نفع بخش ثابت نہیں ہوا۔ اور نہ کوئی دولت بردباری اور تحمل کی خصلت سے زیادہ مفید ثابت ہوئی۔

کوئی نسب بھی ادب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

عقل بہترین رفیق ہے۔

دنیاکی بپ ثباتی کی روشن دلیل موت ہے۔

لایعنی باتوں؛بیہودہ کلام اوریاوہ گوئی کے بجائے خاموش رہنا بہترین نیکی ہے۔

قرض سے بڑھ کر کوئی برجھ نہیں۔

حماقت بلاشبہہ انسان کی قدر کھودیتی ہے مگر صاحب بصیرت نگاہ میں تکبر ذلیل ترہے۔

افلاس وتنگدستی بری بلا ہے مگر جہالت اس سے بدتر ہے ؛ انسانی خصائل میں و طمع ؛ ذلیل ترین خصلت ہے۔

بخل سے زیادہ کوئی چیز موجب ننگ وعار نہیں۔

قناعت سب سے بڑی دولت ہے۔

اے میرے نور نظر !جو شخص دوسروں کے عیوب پر نظر ڈالنے کا عادی ہو جاتا ہے وہ اپنے عیوب کی بہت کم پرواہ کرتا ہے۔

جو دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گر پڑتا ہے۔

سچائی کے مقابلہ میں بر سرپیکار ہونا شکست کھانے کا پیش خیمہ ہے۔

خو بینی کا نتیجہ ضلالت و گمراہی ہے۔

مشورہ کر کے جو کام کیا جائے اس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔

عالمان صفا کیش کے پس بیٹھنا موجب عزت ہے مگر جاہلوں کی ہم نشینی آدمی کو حقیر بناتی ہے ۔کم گوئی کو شعار بنانے والے کی عاقبت محمود ہوتی ہے۔

جھوٹ بول کر بدنام ہو جانے والے کی سچی بات کا بھی اعتبار کم ہی کیا جاتا ہے۔

لوگوں کی قدر و منزلت پہچانے بغیر سب کو ایک لکڑی سے ہانکنے والا حیوان ہے۔

اے جان پدر !میں نے تمام لذائذ کا مزہ چکھا مگر تندرستی سے بڑھ کر کوئی چیز لذیذ نہیں۔

تلخ سے تلخ مزے چکھے مگر احتیاج کی تلخی سب سے زیادہ معلوم ہوئی۔

پہاڑ کا بوجھ زیادہ ہے مگر قرض کا بوجھ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

برائی کے بدلے برائی تو عام دستور ہے ؛ قابل تعریف وہ ہے جو برائی کے بدلے بھی نیکی کرتا ہے ۔شریف لوگوں کی دوستی میں کئی فائدے ہیں (۱)ان کی مجلس میں بیٹھو تو وہ تمہاری قدر کریں گے ۔(۲) تم پر ظلم ہو رہا ہو تو وہ تمھاری حمایت پر فوراً آمادہ ہو جائیں گے (۳) تمھاری باتوں کو توجہ سے سنیں گے۔

مگر کمینوں کی مجلس میں بیٹھنے سے تمھیں کئی نقصانات ہیں (۱) تم کو ذلیل ہونا پڑے گا(۲) اگر تم ان پر اعتماد کرو تو وہ تمھیں دھوکہ دیں گے۔(۳) تمھرے پوشیدہ عیوب سے واقف ہو جائیں تو

تمھیں بدنام کرنے سے کبھی نہ چوکیں گے (۴) اپنی احتیاج رفع ہونے کے بعد وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں گے۔(۵) حقوق صحبت تو وہ کبھی نہ ادا کریں گے۔

اے نور نظر! اپنے گناہوں کا ہمیشہ احتساب کرتے رہو۔ اللہ کی یاد کسی حال میں بھی نہ بھولو۔ اس حدیث کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا؛ اسباب زیست میں اپنےسے کم تر پر نظر ڈالو تا کہ تم کو نعماًالٰہی کی قدر معلوم ہو اور اعمال آخرت میں اپنے سے بہتر کو پیش نظر رکھو جس سے تم کو نیکی کرنے کی تحریص وترغیب ہو گی۔

ا۔ اسباب زیست؛ تحریص وترغیب؛ احتساب؛ نعماًالٰہی؛ خصائل؛ صفا کیش؛ پیش خیمہ؛ ننگ وعار؛ لذائذ؛ کی تشریح کرو۔

۲۔ انصیحت کا ایک ایک جملہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ تم ان کو زبانی یاد کرلو۔ اور ان کی روشنی میں اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہو۔

بری عادتیں

بری عادتیں ہمارے لیے کتنی مضر ہے؛ یہ ہم سب جانتے ہیں دنیا میں بھی ذلت ہوتی ہے۔ جس کے پاس جائے وہی دُر دُر کرتا ہے اور اللہ بھی ناراض ہوتا ہے؛ ظاہر ہے؛ اللہ جس سے ناراض ہو جائے اس کا کہاں ٹھکانہ۔ ایک بری عادت جب پڑ جاتی ہے تو ذرا مشکل سے چھوٹتی ہے۔

یہ بری عادتیں پڑ کیسے جاتی ہیں؟ یہ ایک سوال ہے جس پر ہم سوچنا چاہیے تا کہ ہم بری عادتیوں سے بچیے رہیں۔

تم ایک خراب سے خراب عادت کو لو۔ جب اس پر غور کروگے تو معلوم ہو گا کہ اس کی ابتدا ایک معملولی بھول چوک سے ہوتی ہے؛ بچے نادان ہوتے ہی ہیں؛ اپنا بھلا برا سمجھتے نہیں

؛اگر محلے کے خراب لڑکوں کے ساتھ ہو جاتا ہے یا شیطان بہکا دیتا ہے ؛ تو ان سے نادانی میں بھول چوک ہو جاتی ہے ؛جو بچے سمجھدار ہوتے ہیں وہ نہ برے بچوں ساتھ کھیلتے ہیں اور نہ شیطان ہی کے دھوکے میں آتے ہیں۔ اگر نادانی میں کبھی ان سے بھول چوک ہو بھی جاتی ہے تو وہ جلدی سے توبہ کرکے نیک بن جاتے ہیں۔ پھر اس برائی کے پاس بھی نہیں پھٹکتے ؛ مگر جو بچے بے وقوف ہوتے ہیں ؛ اپنا برا بھلا سمجھتے نہیں۔ انھیں خراب ساتھ یا شیطان بہکاتا ہے۔ برائیوں کی طرف یہ کہہ کر لے جاتا ہے کہ ان کے کرنے میں کیا گناہ ؛ یہ تو معمولی چیزیں ہیں۔ ایسا تو سبھی کرتے ہیں ؛ دیکھو! ہم سب بھی تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ وہ بھی سوچنے لگتا ہے کہ لاؤ اب کی مرتبہ کرلیں پھر نیک بن جائیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معمولی سی بھول چوک بڑھتے بڑھتے بہت بڑی برائی پکڑ دیتی ہے اور بری عادتیں اتنی پختہ ہو جاتی ہیں کہ پھر چھٹائے نہیں چھوٹتیں حالانکہ اگر ان سے شروع ہی میں احتیاط برتی گئی ہوتی تو ایسی بری عادت کبھی نہ پڑ سکتی۔

مثال کے طوپر چوری ہی کو لو یہ کتنی خراب عادت ہے۔ چور جہاں بھی جائے ذلیل سمجھا جاتا ہے بچے چور چور کہکر چڑاتے ہیں۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ خدا سب کو اس بری عادت سے بچایئے۔ اسلام میں تو اس کی بہت ہی سخت سزا رکھی ہے ؛ہاتھ کاٹ دینا ؛ مگر تم جانتے ہو یہ عادت کیسے پڑ جاتی ہے ؟اس کی ابتدا معمولی بھول چوک سے ہوتی ہے۔ چھوٹے بچے گھر میں کھانے پینے کی چیزیں اماابا سے پوچھے بغیر لے لیتے ہیں ؛ درجہ میں ساتھیوں کی چیزیں بھی بغیر اجازت استعمال کرنے لگتے ہیں۔ بے تکلفی میں پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہی عادت پختہ ہو جاتی ہے اور آدمی بڑی سے بڑی چیز بغیر اجازت استعمال کرنے لگتا ہے۔ اب بتاؤ چوری ہی کیا ہے ؟ یہی تو کہ بغیر مالک کی اجازت کے چپکے سے اس کی چیز لیکر اپنے کام میں لے آنا۔ اگر ہم شروع ہی سے

احتیاط کریں؛بغیر اجازت کسی کی چیز کو ہاتھ نہ لگائیں خواہ وہ چیز اپنے گھر ہی کے کسی فرد کی کیوں نہ ہو تو ہم اس بری عادت سے بآسانی بچ سکتے ہیں۔

دوسری مثال غیبت کی لو۔ تمہیں معلوم ہے یہ کتنی بری عادت ہے۔غیبت کرنے والے اللہ نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے سے تشبیہ دی ہے۔ کتنی سخت بات ہے اگر ہم اپنے عیب پر نگاہ رکھیں؛دوسروں کے بارے میں گفتگو کرنے سے پرہیز کریں تو ہم میں یہ عادت قطعانہ پیدا ہو ۔مگر اپنی مجلسوں میں جب ہم بلا ضرورت دوسروں کا ذکر چھیڑتے ہیں تو آہستہ آہستہ ان کی برائیاں بیان کرنے میں لطف آنے لگتاہے۔پھر تو یہ عادت اتنی پختہ ہو جاتی ہے جتنی چائے اور تمباکو کی؛کہ جب تک روزانہ دس پانچ کی غیبت نہ کرلیں لطف ہی نہیں آتا بلکہ کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔

اسی طرح جھوٹ کو لو! یہ بھی کتنا بڑا گناہ ہے۔دراصل ساری برائیوں کی جڑ جھوٹ ہی ہے ۔تمہیں وہ قصہ یاد ہو گا کہ ایک حبشی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں حاضر ہوا تھا اس میں بہت سے عیوب تھے؛اس نے صرف ایک کے چھوڑنے وعدہ کیا تھا۔رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ چھوڑنے تلقین فرمائی ۔اس پر عمل کرنے سے ساری برائیاں دور ہو گئیں۔ جھوٹ کی برائیاں تم سب جانتے ہو ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے یادوست احباب کو خوش کرنے کے لئے جھوٹی گھڑنے سے یہ عادت پیدا ہو جاتی ہے۔اگر ہم بکواس کم کردیں اور دوست احباب کی خوشی پر اللہ کی خوشی کو مقدم سمجھیں تو اس قبیح عادت سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔

مشق

(1) مندرجہ ذیل کے معنی میں فرق واضح کرنے کے لئے انہیں اپنے جملوں میں استعمال کرو

۱۔مضر۔مصر　　۲۔عادات۔آداب　　۳۔چوک۔چوک

۴۔ثواب۔صواب ۵۔عیب۔غیب ۶۔بغیر۔بخیر

۷۔تشبیہ۔تسبیح

۲۔مندرجہ ذیل الفاظ کی ضد بتاؤ

جھوٹ۔خراب۔بے تکلفی۔دوست۔مردہ۔معمولی

(۴) بری عادتیں کیسے پڑ جاتی ہے۔ان سے چھٹکا حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔

(۵) جھوٹ کس طرح ساری برائیوں کی جڑ ہے؟اس سے کس طرح محفوظ کر سکتے ہیں؟

(۶) غیبت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے یہ عادت کیوں کر پڑتی ہے؟اس سے کیسے بچو گے؟

آداب گفتگو

نہ کچھ دے ہے کویل نہ چھینے ہے کوّا
مگر میٹھی آواز کے سب ہیں شیدا

یہ بالکل صحیح اور سچی بات ہے کہ کوّے کی تیز اور کرخت آواز کانوں کو سخت ناگوار گزرتی ہے۔ جب بھی دیوار کی منڈیر پر کوّا بیٹھا؛ کائیں کائیں کرتا ہے؛ اس کی طرف ڈھیلے پھینکے جاتے ہیں تاکہ وہ اڑ جائے اور اس کی چبھتی ہوئی آواز سے چھٹکارا ملے۔ مگر کویل کی کوُکوُ کی بات ہی کچھ اور ہے؛ اتنی شیریں؛ سہانی اور پر کف ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ اس کی آواز سنتے ہی رہو۔ دونوں پرندوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے؛ کویل کوّے سے خوب صورت نہیں ہے صرف آواز کی نرمی اور مٹھاس کی وجہ سے اسے پسند کیا جاتا ہے۔

انسانی آوازوں کا بھی کم و بیش یہی حال ہے؛ بعض لوگ تیز اور اونچی آواز میں چینخ چینخ کر باتیں کرتے ہیں؛ موقع محل کا خیال نہیں رکھتے۔ جس سے گفتگو کرتے ہیں؛ اس کا لحاظ نہیں کرتے بولتے ہیں تو بولتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ آداب گفتگو سے یک سر بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اُن کی بات چیت میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ اس لئے کوئی ان کی باتوں پر توَجہ ؒنہیں دیتا بلکہ لوگ ان کی صحبت سے کتراتے ہیں۔

لیکن بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی گفتگو سلجھی ہوئی اور پسندیدہ ہوتی ہے۔ وہ دھیمی؛ نرم اور ہلکی اواز میں بات کرتے ہیں۔ ٹھہر ٹھہر کر بولتے اور ایک ایک لفظ کو خوب صورتی سے ادا کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو بڑی دل نشیں ہوتی ہے۔ ان باتوں میں جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔ لوگ

ان کی صحبت کے منتظر اور ان کی قربت کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔ ان کی باتوں کو نہایت شوق اور دلچسپی سے سنتے ہیں اور ان سے متاثر ہوتے ہیں۔

جس طرح اور باتوں کے آداب؛ طور وطریقے؛ اصول و قوانین ہوتے ہیں۔ اسی طرح بات چیت اور گفتگو کے بھی کچھ آداب اور اصول ہیں؛ جن کی پابندی ضروری ہے۔ آداب گفتگو سے ناواقفیت کی بنا پر لوگ ایک دوسرے کی صحبت سے گھبراتے ہیں؛ میل ملاپ سے کتراتے ہیں اور اس طرح انسانی معاشرہ یک جہتی؛ پیار اور محبت جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اخوّت اور محبت وہ نعمت خداوندی ہے کہ جس کو حاصل کرنے اور قائم رکھنے کی تلقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مسلمانوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔بات چاہے معمولی ہو یا اہم؛ سب کی مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں موجود ہیں؛ گفتگو میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن باتوں کو ضروری خیال فرماتے تھے وہی بات چیت کرنی کے اصول اور گفتگو کے آداب ہیں۔ مسلمانوں کی طرز گفتگو ایسی ہی ہونی چاہیے جیسی کہ ہادئ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا ہماری ہدایت کے لیے کیا ہے تاکہ ہم سمجھیں؛ پیروی کریں اور فلاح پائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "افصح العرب" کہا جاتا ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا جہاں ادبی معیار بہت بلند تھا وہاں اس میں عام فہم سادگی بھی تھی اور پھر کمال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی گھٹیا لفظ استعمال نہیں کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یاد خدا اور غور فکر میں مصروف رہتے، زیادہ تر خاموش رہتے؛ بلا ضرورت بات چیت نہ کرتے۔ لیکن تبلیغ اسلام کی خاطر لوگوں سے بات کرتے تو خوب گھل مل کر بات کرتے سنجیدگی کی جگہ اختیار فرماتے اور خوش مزاجی کی جگہ خوش مزاجی کا اظہار فرماتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب محفل میں بیٹھے ہوتے و دوسروں کی گفتگو میں دلچسپی لیتے۔ جس موضوع پر بات چیت ہو رہی ہوتی اس میں شرکت فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہمیت جتانے کے لیے کبھی موضوع کو بدلنے کی کوشش نہ فرماتے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم دنیوی معاملات کا ذکر کر رہے ہوتے تو حضور صلی اللہ وسلم بھی اس ذکر میں حصہ لیتے۔ جب ہم آخرت پر گفتگو کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اس موضوع پر تکلم فرماتے اور جب ہم کھانے پینے کی کوئی بات چھیڑتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شامل رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے وقت الفاظ اتنے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے؛ خاص خاص باتوں کو دہراتے تاکہ سننے والے آسانی سے یاد کرلیں۔ الفاظ نہ ضرورت سے کم ہوتے نہ زیادہ؛ گفتگو یہ مختصر ہوتی نہ طویل۔ ناپسندیدہ باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نفرت تھی۔ گفتگو میں عام طور سے ایک مسکراہٹ شامل رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معنی ادا فرمانے میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان تمام باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گفتگو پاکیزہ اور صاف ستھری ہونی چاہئے۔ زبان آسان اور عام فہم ہو۔ بات چیت کے دوران ثقیل اور مشکل الفاظ استعمال نہ کیے جائیں تاکہ سننے والا بات آسانی سے سمجھ جائے۔

گفتگو میں فحش اور گھٹیا الفاظ استعمال کرنا اپنی بڑائی جتانے کے لئے مشکل الفاظ بولنا آدابِ گفتگو کے خلاف ہے۔ محفل جس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہو اس میں شرکت کرنا چاہیے۔ موضوع کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرنے کی کوشش کرنا مناسب نہیں اس سے بات چیت میں بے لطفی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اپنی بات منوانا یا اپنے خیالات دوسروں پر ٹھونپنا سخت نا مناسب ہے۔

جب رائے پوچھی جائے یا مشورہ طلب کیا جائے تو مناسب الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیئے ۔از خود نہیں بولنا چاہیئے۔لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے۔

جب کوئی بات کر رہا ہو تو بیچ میں بولنا؛ بات کاٹنا یا اچانک اپنی بات شروع کر دینا خلاف ادب ہے۔ اگر درمیاں میں بولنے کی ایسی ہی ضرورت پیش آجائے تو معذرت کر کے یا اجازت لے کر بات کرنی چاہیے ورنہ اس وقت تک خاموش رہنا چاہیے جب تک دوسرے کی بات پوری نہ ہو جائے ۔اگر بہت سے لوگ ایک ساتھ بولنے لگیں گے تو شور غل ہو گا اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا ۔

تیز اور اونچی آواز میں بات کرنا یا چیخ چیخ کر بولنا سخت ناپسندیدہ عادت ہے۔اس سے بچنا چاہیے۔ اپنے سے چھوٹوں سے بات کرتے وقت نرمی اور شفقت کا لہجہ اختیار کرنا چاہیے اور بڑوں سے گفتگو کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ ہونے دیں بلکہ دھیمی اور نیچی آواز میں گفتگو کریں۔

غم اور غصہ کا اظہار کرتے وقت بھی آواز پر قابو رکھنا ضروری ہے۔ سخت اور تیز آواز کسی بھی حالت میں گوارا نہیں ہوتی۔ اسی طرح بات کو زیادہ طول دینا بھی آداب گفتگو کے خلاف ہے۔ بات ضروری ہو؛ اچھی ہو؛ خوشگوار ہو اور مختصر ہو۔کسی نے کیا خوب کہا ہے ”بات ایسی ہو جو دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے“۔اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہنے والا آداب گفتگو سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو۔

مشق

(۱) کوّے کے مقابلے میں کویل کو کیوں پسند کیا جاتا ہے؟

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح گفتگو فرماتے تھے؟

(۳) گفتگو کرتے وقت کن کن باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے؟

(۴) دوسروں کی گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

(۵) موسم گما بہتر ہے یا موسم سرما اس موضوع پر دو دوستوں کی گفتگو تحریر کیجیے۔

(٦) اس ایک لفظ ہے "آداب" جو ادب کی جمع ہے اس طرح مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع بنایئے۔

فوج؛ خبر؛ نہر؛ موج؛ طور

(۷) اس سبق کے پہلے دو پیراگرافوں میں جو فعل حال ہیں انھیں فعلِ ماضی بعید میں لکھیے۔

مطالعہ اور آموختہ

(۱) کتاب کا مطالعہ طالب علم کے واسطے نہایت ضروری کام ہے کیوں کہ اپنے سبق میں جس قدر غور و فکر تم خود کرتے ہو۔ اس سے تمہارے ذہن کی قوت اور اصلی استعداد بڑھتی ہے۔

(۲) اگر تم اپنی طبیعت پر زور نہ ڈالو گے اور محض استاد کی تعلیم پر تکیہ کرو گے تو تمہارا حال ان اپاہج بچوں کا سا ہو جائے گا جو خود پاؤں چلنا نہیں سیکھتے؛ بلکہ دوسروں کی گود میں لدے لدے پھرتے ہیں۔

(۳) بے شک ابتدا میں طالب علم کو اس بات کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے کہ جو کچھ استاد بتاتا اور سمجھاتا ہے اس کو خوب غور سے سنے اور حرف بحرف یاد رکھے۔ جو ذخیرہ استاد کی تعلیم سے تمہارے حافظے میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس کو ساتھ ہی کام میں لانا شروع کرو۔

(۴) جو علم تم روز بروز حاصل ہوتا ہے۔ اس کو کام میں لانے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے آئندہ سبق کا مطالعہ کیا کرو۔ یعنی اسے بغیر کسی کی مدد کے اپنے آپ پڑھو۔ اس طور سے تمہارا علم بہت جلد ترقی پائے گا۔ اگر آج دو ہے تو کل چار ہو جائے گا

(۵) شاید شروع شروع میں یہ کام تم کو بہت دشوار اور ناگوار معلوم ہو۔ لیکن خبردار گھبرانا مت! ذرا صبر کے ساتھ اس طریقہ پر عمل کرو گے تو سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی اور خود بخود تمہاری طبیعت کو کامیابی کی راہیں سوجھنے لگیں گی۔

(۶) مطالعہ کرنے والوں کی کیفیت ابتدا میں ان بچوں کی سی ہوتی ہے جو گھٹنوں کے بل چلتے ہیں۔ پھر کھڑا ہونا سیکھتے ہیں۔ تو گر پڑتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی مشق برابر جاری رکھتے ہیں۔ آخر ایسے شہ زور چست و چالاک بن جاتے ہیں کہ اپنی دوڑ دھوپ کے آگے اونچے ٹیلوں اور گہری خندقوں کی بھی کچھ اصل نہیں سمجھتے۔

(۷)مطالعہ کے یہ معنی نہیں کہ ایک دوبارآئندہ سبق سرسری طورپر دیکھ بھال لیا۔ جو سمجھ میں آیا سو آیا۔ باقی اس بھروسے پر چھوڑدیا کہ استاد سے یا کسی ہوشیار ہم سبق سے دریافت کرلیں گے۔ ایسا مطالعہ بالکل ناکارہ ہے۔ اس سے کچھ ترقی تمہاری استعداد میں نہ ہوگی۔ اگر تمہارے منھ میں دانت ہیں تو تم دوسروں کے چبائے ہوئے لقمے کے منتظر مت رہو۔ بلکہ خود چباؤ اور کھاؤ۔

(۸)مفید طریقۂ مطالعہ یہ ہے کہ ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرے پر دل لگاکر غور کرو کیسی ہی خفیف بات ہو۔ اس بغیر سمجھے نہ چھوڑو۔ جب تم اس انداز سے مطالعہ کروگے تو بعض باتیں ایسی پاؤگے جو پہلے سے تمہارے ذہن میں موجود ہیں ان پر غور کرنے سے تمہاری یاداشت تازہ اور پختہ ہوجائے گی۔ بعض باتیں تمہاری نظر سے ایسی گذریں گی جو تمہاری جانی ہوئی باتوں سے ملتی جلتی ہیں ۔ ان کو تم تھوڑے تامل اور فکر سے سمجھ سکوگے بعض باتیں ایسی بھی پیش آئیں گی جو بالکل نئی ہیں۔ مگر خوب غور کرنے سے وہ تمہارے قیاس میں آجائیں گی۔ اس وقت تم کو ایس مسرت حاصل ہوگی؛ گویا تم نے ایک نیا ملک فتح کیا۔ اس کامیابی کے بعد تم کو خود حوصلہ ہوگا کہ آؤ آگے بڑھ کر دوسرا جھنڈا فتحمندی کا بلند کریں۔ ایسے مطالعہ کے بعد تم سبق پڑھوگے تو جو کچھ اپنے استاذ کی زبان سے سنوگے اس کا یادرکھنا اور سمجھنا بھی تم کو آسان ہوجایئے گا۔

(۹)مطالعہ کے لیے ایک خاص وقت مقرر کرو۔ تنہا جگہ میں بیٹھو جہاں کوئی غل مچانے والا یا بات کرنے والا نہ ہو؛ نہ کوئی کھیل تماشے کی چیز سامنے ہو۔ جس کے سبب سے تمہارا دھیان نہ بٹے۔ چلاّ چلاّ کر پڑھنے؛ یا گنگنانے کی عادت نہ ڈالو؛ بلکہ ہمیشہ چپ چاپ مطالعہ کیا کرو تاکہ غوروفکر میں خلل نہ پڑے۔ کتاب پر جھک کر مطالعہ کرنا جسم کے لئے مضر ہے۔ یا تو سیدھے بیٹھو اور اگر ہوسکے تو چہل قدمی کرتے ہوئے کتاب دیکھا کرو۔ اگر کتاب کے مطالعہ سے طبیعت اکتاجائے تو فوراًکام تبدیل کردو اور کوئی دوسری کتاب یادوسرا مضمون اختیار کرو۔ مثلاً زبان کی کتاب سے جی بھر جائے تو

ریاضی کا مطالعہ کرو؛ اس سے بھی طبیعت سیر ہو جائے تو تاریخ و جغرافیہ دیکھو غرض یوں ردوبدل کر کے طبیعت کو کام میں مصروف رکھو۔

(۱۰) جس طرح مطالعہ طالب علم ترقی کے زینے پر چڑھاتا اور اس کے ذہن کی قوت بڑھاتا ہے۔ اسی طرح آموختہ پر نظر کرنا بھی کامیابی کا بڑا گُر ہے۔ جن باتوں کو تم نے آج اس قدر محنت اور مشقت سے سیکھا ہے۔ اگر بے پروائی سے ان کو بھلا دیا تو افسوس ہے کہ تمہاری تمام محنت اور وقت رائگان گیا۔ تیلی کے بیل کی مانند مت بنو۔ جس نے تمام دن سفر کیا؛ اور پھر وہیں کا وہیں رہا۔ تم کو چاہیئے کہ جو کچھ اپنی محنت اور وقت کے عوض میں حاصل کرتے ہو۔ اس کی خوب حفاظت کرو۔ جو آج سبق پڑھ چکے ہو ؛ اس کو پھر دیکھ لو۔ اسی طرح ایک ہفتہ کی خواندگی دوسرے ہفتے میں اور ایک مہینے کی دوسرے مہینے میں دہراتے رہو جو طالب علم اپنے کام میں اس طرح دل سے توجہ اور کوشش کریے گا تو امید ہے کہ علمی خزانے میں ایک کوڑی کا گھاٹا نہ آنے پائے گا۔ دن دونا رات چوگنا بڑھتا جائے گا۔ اور دن اس کو جگت سیٹھ بنائے گا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر

تقریر تو تم بھی کر لیتے ہو۔ گذشتہ اجتماع میں بھی تو کی تھی۔ تمہاری تقریر سے بچے کتنے خوش ہوئے تھے۔ بھائی تقریر میں بھی کیا ہوتا ہے۔ سنے والوں پر بجلی طرح اثر کرتی ہے۔ اس دن محترم مولانا کی تقریر ہوئی تھی۔ دیکھا تھا حاضرین کیسا جھوم رہے تھے۔ یہ بھی اللہ کی ایک بہت بڑی دین ہے۔ جسے تقریر کرنی آتی ہے وہ اپنی بات بڑی آسانی سے لوگوں کے دلوں میں اتارد تا ہے ۔ دین اشاعت میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اللہ کے نیک بندوں نے اس مٖ بڑا کام لیا ہے۔ حضرت حعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر بھی اسی طرح کی ایک تقریر ہے۔ جس نے سامعین کی زندگیوں میں انقلاب رونما کر دیا تھا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کون تھے۔ آپ پیارے نبی کے پیارے ساتھی تھے۔ آپ شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت علي رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ یہ تقریر آپ نے ملک حبش کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں کی تھی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کیسے پہنچے؟ یہ بڑی درد بھری کہانی ہے۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے ساری دنیا کی رہنائی کے لئے بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی تھے۔ آپ کے بعد رہتی دنیا تک کوئی نبی آنے والا نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے زمانہ میں نبی بنایا گیا تھا جب ساری دنیا میں ضلالت پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں چاند؛ سورج؛ ددریا اور پہاڑ پوجے جاتے تھے تو کہیں درخت؛ جانور یا اپنے جیسے انسانوں کو معبود سمجھا جاتا تھا؛ بعض قومیں اپنے لڑکیوں کو زمیں میں زندہ دفن کر دیتی تھیں۔ جوا؛ شراب ؛بدکاری عام تھی ؛بات بات پر جنگ اور

قدم قدم پر لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ غرض دنیا کا عجیب حال تھا۔ ان حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

ملک عرب جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کام کی ابتدا کرنی تھی وہ تو جہالت اور گمراہی میں تمام ممالک سے بازی لے گیا تھا۔ عربوں کے لئے خدا پرستی اور نیک چلنی کی دعوت بالکل نئی تھی ۔ چنانچہ ہر طرف سے مخالفت شروع ہوئی۔ مکہ کے کچھ نیک بندوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا؛ باقی سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو طرح طرح سے ستایا جانے لگا۔ کانٹوں میں گھسیٹا جاتا؛ گرم ریت پر لٹایا جاتا؛ گلے میں رسی ڈال کر کھینچا جاتا؛ گرم سلاخوں سے ڈاغا جاتا؛ غرض طرح طرح سے پریشان کیا جاتا؛ خدا کے ان برگزیدہ بندوں نے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور برابر اپنا کام جاری رکھا۔ جب پریشانیاں بہت بڑھ گئیں؛ اور کفار کی سختیاں ناقابل برداشت ہوگئیں تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ ساتھیوں ہجرت کرکے حبش جانے کی اجازت دے دی۔ اس وقت ملک حبش کا بادشاہ نجاشی تھا؛ یوں تھا تو وہ عیسائی مگر فطرتاً بہت نیک اور انتہائی رحم دل تھا۔ اس نے ان مہاجرین کے بہت نیک سلوک کیا۔ جب مکہ کی کافروں کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے تحفہ تحائف کے ساتھ بادشاہ نجاشی کی خدمت میں اپنے دو سفیر بھیجے۔ نذرانے پیش کرکے سفیروں نے بادشاہ سے عرض کیا" جہاں پناہ! یہ لوگ ہمارے مجرم ہیں" ہمارے یہاں سے بھاگ کر کے آئے ہیں۔ آپ انہیں ہمارے حوالہ کردیجئے"۔

بادشاہ کو ان کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے مسلمانوں کو بلا کر ان کے جرم تحقیق کی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بنے؛ اور دربار میں تقریر کی۔ یہ تھا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر کا پس منظر۔ آپ نے فرمایا:

اے بادشاہ! ہم نادان تھے؛ جاہل تھے؛ بت پوجتے؛ مردار کھاتے؛ بدکاری کرتے؛ فحش بکتے ؛ناپاک رہتے اور ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے؛ ہمارے یہاں نہ قاعدتھا اور نہ کوئی قانون؛ مہمانوں کی سچی ضیافت نہ تھی ؛ ہمسایوں کی کوئی رعایت نہ تھی ؛ بھائی بھائی پر ظلم کرتا ؛ طاقتور کمزور کو ستاتا ۔غرض ہم برے تھے ؛ ہمارے سارے کام برے تھے (اللہ کو ہم پر رحم آیا؛ ہماری ہدایت کا انتظام فرمایا) ہم میں ایک آدمی پیدا ہوا؛ ہم سب اس سے خوب واقف تھے۔ وہ بہت ہی نیک تھا؛ امین اور راستباز تھا؛ اس نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی؛ سچے دین کی دعوت دی؛ اللہ کا راستہ بتایا؛ آپس میں محبت کرنا سکھایا؛ اس نے ہمیں تلقین کی کہ ہم بت پرستی چھوڑدیں؛ سچ بولیں ؛ وعدہ پورا کریں ؛ برائیوں سے بچیں اور گناہوں سے دور رہا کریں ؛ ظلم سے باز آجائیں ؛ یتیموں مال نہ کھائیں ؛ پروسیوں کو تکلیف نہ دیں بلکہ انہیں ہر طرح کا آرام پہونچائیں۔ پاک دامن عورتوں پر تہمت نہ لگائیں اور نماز پڑھیں ؛ روزے رکھیں ؛ اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں ؛ آپس میں مل جل کر رہیں ؛ ہم نے اس سے نبی جانا؛ اللہ کا رسول مانا؛ اس کی باتوں پر عمل کیا۔ یہ ہی ہمارا جرم اسی پر ہماری قوم ہمیں ستاتی ہیں؛ ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم دین حق چھوڑدیں؛ اور پچھلی گمراہیوں کی طرف لوٹ جائیں"

اصلی امتحان

پیارے بچو! یہ کوئی بناوٹی کہانی یا افسانہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک عبرت ناک واقعہ ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں آیا ہے۔ بنی اسرائیل جو یہودی کہلاتے ہیں۔ ان کے تعلق سے بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے تین آدمی کو جن میں ایک کوڑھی تھا، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا، آزمانے کے لئے اللہ تعالی نے فرشتہ کو بھیجا۔ وہ انسان کی صورت میں سب سے پہلے کوڑھی کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ "کون سی چیز تجھے سب سے زیادہ پسند ہے؟" کوڑھی نے کہا: "خوبصورت رنگ اور اچھی رنگت"۔ مجھے اس مرض سے نجات مل جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں"۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو کوڑ کے اثرات ختم ہوگئے، اس کے جسم کی رنگت بدل گئی۔ اللہ تعالی نے اُسے نہایت اچھی جلد اور خوبصورت رنگ عطا کر دیا۔ پھر فرشتہ نے پوچھا: "تجھے کون سا مال سب سے زیادہ محبوب ہے؟" اس نے جواب دیا: "اونٹ" اللہ تعالی نے اسے دس ماہ کی حاملہ اونٹی عطا کر دی۔ فرشتہ نے کہا: "اللہ تعالی تیرے لئے اس میں برکت دے گا"۔

وہی فرشتہ پھر گنجے کے پاس گیا اور اُس سے پوچھا کہ تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اُس نے جواب دیا "(میرے سر پر) خوبصورت بال (ہوں) اور یہ تکلیف مجھ سے دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالی نے اُسے خوبصورت بال عطا کیا، اور وہ تکلیف اُس سے دور ہو گئی۔ فرشتہ نے اُس سے پوچھا، تجے کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟" اس نے جواب دیا: "گائے"۔ اللہ تعالی نے اسے ایک حاملہ گائے عطا کی۔ فرشتہ نے اس سے کہا کہ اللہ تعالی تیرے لئے اس میں برکت دے گا۔ پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس گیا اور کہا: کون سی چیز تمھیں سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: "اللہ تعالی مجھے میری

بینائی لوٹا دے تاکہ میں آنکھوں سے لوگوں کو دیکھ سکوں"۔ فرشتہ نے اُس کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ اُس کی بینائی اُسے لوٹا دی۔ فرشتہ نے پھر سوال کیا: تمھیں کون سامال سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اس نے کہا: "بکری"۔ اللہ تعالیٰ نے اُس سے ایک حاملہ بکری عطا کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی مویشیوں میں برکت دی۔

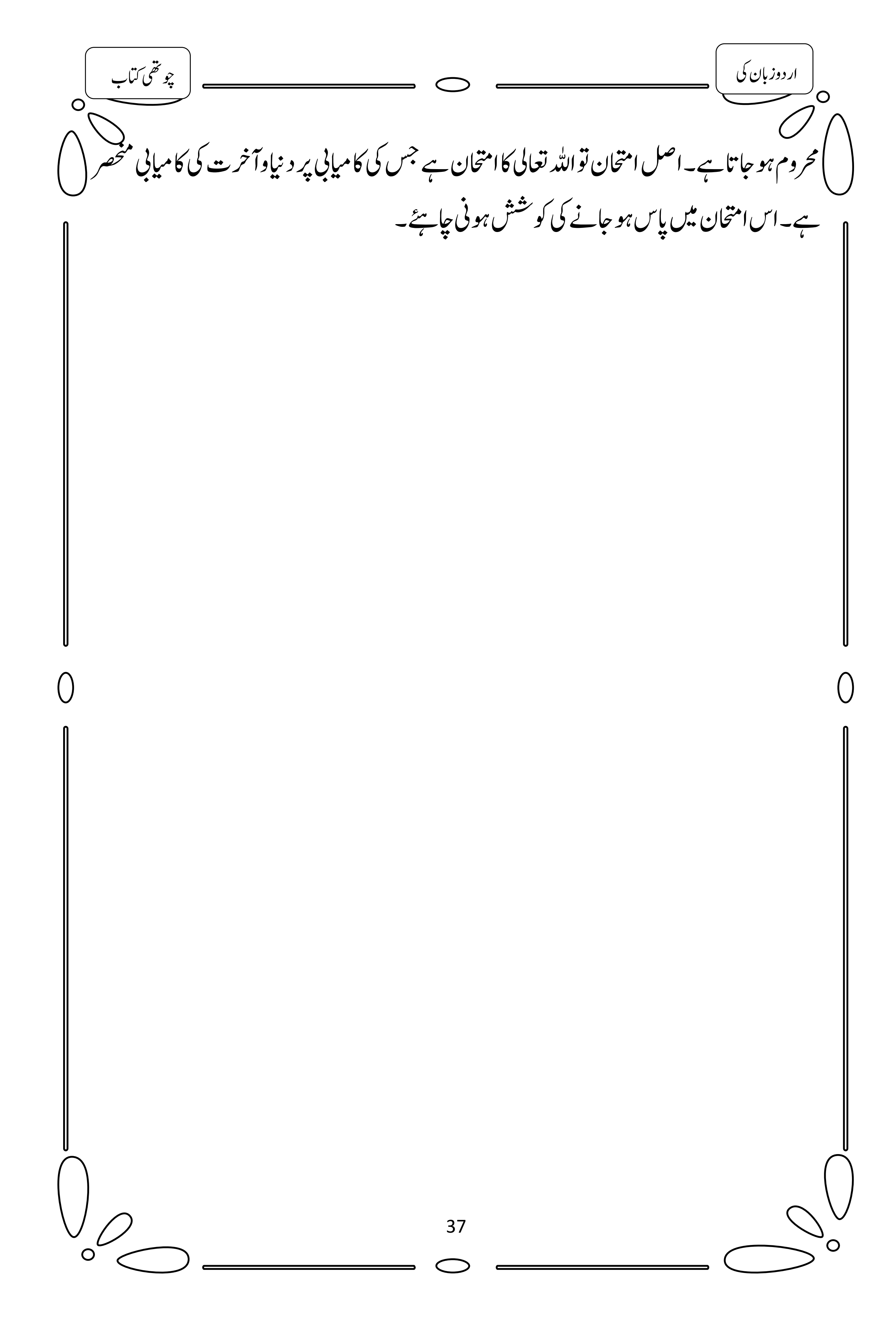
کچھ ہی عرصے میں پہلے آدمی کے اونٹوں سے وادی بھر گئی۔ دوسرے آدمی کی گائیوں سے بھی وادی بھر گئی اور تیسرے آدمی کی بکریوں سے بھی وادی بھر گئی۔ تب پھر وہی فرشتہ کوڑھی کی صورت اور کیفیت میں پہلے شخص (جو پہلے کوڑھی تھا) کے پاس آیا اور کہا: "میں غریب آدمی ہوں اور سفر کے دوران میرے رزق کمانے کے سارے اسباب ختم ہو گئے ہیں۔" اب میرا گزارہ نہیں ہو سکتا اِلا یہ کہ اللہ تعالیٰ کرم فرمائے، اور آپ مجھ سے تعاون کریں۔ اُس خدا کے نام سے جس نے آپ کو خوبصورت رنگ، اچھی جلد اور یہ مال عطا کیا ہے۔ صرف ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں تاکہ میں سفر میں اپنا گزارہ کر سکوں" وہ آدمی بولا کہ لوگوں کے حقوق مجھ پر بہت ہیں۔ اِس لئے میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا۔ فرشتہ نے کہا: "ایسا لگتا ہے میں تجھے پہچانتا ہوں۔ کیا تو ایک مفلس کوڑھی نہیں تھا جس سے سب لوگ نفرت کرتے تھے، پھر اللہ نے تجھے یہ مال عطا کیا۔" اُس شخص نے کہا: "جی نہیں، مجھے یہ مال اپنے آبا واجداد سے وراثت میں ملا ہے اور اُن کو اُن کے باپ دادا سے ملتا آیا ہے۔" فرشتہ نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھے تیری پہلی صورت میں لوٹا دے۔"

پھر وہ فرشتہ سابق گنجے کے پاس گیا۔ اس کے ساتھ وہی ساری باتیں کیں جو اُس نے کوڑھی کے ساتھ کی تھی لیکن گنجے نے بھی کوڑھی کی طرح فرشتہ کو اللہ کی راہ میں دینے سے صاف انکار کر دیا۔ فرشتہ نے کہا: "اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے تیری پہلی حالت میں لوٹا دے۔" اس کے بعد فرشتہ تیسرے شخص کے پاس مفلس اندھے کی صورت اور کیفیت میں پہنچا اور کہا: "میں ایک

غریب مسافر ہوں۔ اِس سفر میں میرے رزق کے سارے وسائل ختم ہو چکے ہیں۔ اب میری ناداری کا یہ حال ہے کہ میں گزارہ نہیں کر سکتا سوائے اللہ کی مہربانی اور آپ کی مدد سے۔ جس اللہ نے تجھے بینائی لوٹادی ہے، اُس کے نام سے صرف ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ میں سفر میں اس سے گزارہ کر سکوں۔" اُس نے جواب دیا: "میں اندھا تھا، اللہ نے میری بینائی لوٹادی ہے اور میں مفلس تھا، اللہ نے مجھے غنی کر دیا ہے۔ جتنی بکریاں لینا چاہتا ہے لے جا اور جتنی بکریوں کو میرے پاس چھوڑنا چاہتا ہے چھوڑدے۔ اللہ کی قسم آج تو اللہ کے نام سے جو چیز بھی مجھ سے لے گا میں اُس پر تجھے مشقّت میں نہیں ڈالوں گا۔" فرشتہ نے کہا: "تو اپنا مال اپنے پاس رکھ۔ تم تینوں آدمیوں کو آزمائش میں ڈالا گیا تھا۔ تجھے بارگاہ خداوندی میں پسند کیا گیا ہے اور تیرے دونوں ساتھیوں نے اللہ کے غضب کو دعوت دی ہے۔"

فرشتہ جانے کے بعد کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ مویشیوں میں بیماری پھوٹ پڑی۔ پہلے اور دوسرے آدمیوں کے سارے اونٹ اور ساری گائیں مر گئیں اور ساری جائداد سے وہ دونوں ہاتھ دھو بیٹھے اور پھر وہ دونوں اس بیماری میں مبتلا ہوگئے جو فرشتے کے مسح سے دور ہو گئی تھی۔ ایک کوڑھی اور دوسرا گنجا بن گیا جبکہ تیسرے شخص کی بینائی برقرار رہی اور ساری بکریاں زندہ وسلامت رہیں اور تمام مال و دولت بھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ناشکری اور احسان فراموشی سے ناخوش ہو کر اُن دونوں کو اپنے فضل و کرم سے محروم کر دیا جبکہ تیسرے شخص کو احسان مندی اور خدا کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کے جذبے کی قدر کرتے ہوئے اللہ نے اس پر اپنا فضل و کرم باقی رکھا۔

انسان کو چاہیئے کہ جو اپنے لئے بسند کرے وہی دوسرے بھائیوں کے لئے بھی پسند کرے۔ دنیا میں کئی طرح سے انسان کو آزمایا جاتا ہے۔ جو شخص اس آزمائش میں پورا اُترتا ہے، وہ اللہ کی رحمت وبرکت کا مستحق ہوتا ہے اور جو اس امتحان میں فیل ہو جاتا ہے وہ اللہ کے فضل و کرم سے



محروم ہو جاتا ہے۔ اصل امتحان تو اللہ تعالیٰ کا امتحان ہے جس کی کامیابی پر دنیا و آخرت کی کامیابی منحصر ہے۔ اس امتحان میں پاس ہو جانے کی کوشش ہونی چاہیے۔

سہارا لینے آیا ہوں تیرے کعبہ کے آنچل میں

الٰہی تیری چوکھٹ پر بھکاری بن کے آیا ہوں
سراپا فقر ہوں عجز و ندامت ساتھ لایا ہوں
خلاصہ یہ کہ بس جل بھن کر اپنی روسیاہی سے
سراپا فقر بن کر اپنی حالت کی تباہی سے
بھکاری وہ کہ جس کے پاس جھولی ہے نہ پیالہ ہے
بھکاری وہ جسے حرص و ہوس نے مار ڈالا ہے
ترے دربار میں لایا ہوں اپنی اب زبوں حالی
تری چوکھٹ کے لائق ہر عمل سے ہاتھ ہے خالی
متاعِ دین و دانش نفس کے ہاتھوں سے لٹوا کر
سکونِ قلب کی دولت ہوس کی بھینٹ چڑھوا کر
یہ تیرا گھر ہے تیرے مہر کا دربار ہے مولی
سراپا نور ہے اِک مہبط انوار ہے مولی
لٹا کر ساری پونجی غفلت و عصیاں کی دلدل میں
سہارا لینے آیا ہوں تیرے کعبہ کے آنچل میں
تری چوکھٹ کے جو آداب ہیں میں ان سے خالی ہوں

نہیں جس کو سلیقہ مانگنے کا وہ سوالی ہوں
گناہوں کی لپٹ سے کائناتِ قلب افسردہ
ارادے مضمحل، ہمت شکستہ، حوصلے مردہ
زبان غرقِ ندامت دل کی ناقص ترجمانی پر
خدایا رحم! میری اس زبانِ بے زبانی پر
کہاں سے لاؤں طاقت دل کی سچی ترجمانی کی
کہ اس جنجال میں گزری ہیں گھڑیاں زندگانی کی
یہ آنکھیں خشک ہیں یارب! انھیں رونا نہیں آتا
سلگتے داغ ہیں دل میں جنھیں دھونا نہیں آتا

نتیجۂ فکر:

مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ تعالی

امام ابو یوسف رحمہ اللہ

"اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْكَ بَعْضَهُ حَتّٰی تُعْطِیَهُ کُلَّكَ"

ترجمہ: "علم ایسی چیز ہے جس کا تھوڑا حصہ بھی آپ کو اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک کہ آپ اپنے آپ کو مکمل اس کے سپرد نہیں کر دیتے۔"

یہ مقولہ ہے حضرت یعقوب بن ابراہیم حبیب انصاری کوفی رحمہ اللہ کا، جو عام طور سے "امام ابو یوسف" یا "قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

آپ ۱۱۳ ہجری میں پیدا ہوئے، کم سنی ہی میں والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا، علی بن الجعد کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے والد بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے، میری والدہ مجھے دھوبی کے پاس کام کرنے کے لئے بھیجتی تھیں، لیکن میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس میں جا کر بیٹھ جایا کرتا تھا، والدہ میرا پیچھا کرتیں اور مجھے امام صاحب کی مجلس سے اٹھا کر دھوبی کے پاس لے جاتیں۔

میں پھر امام صاحب کے حلقے میں جا بیٹھتا، جب یہ سلسلہ دراز ہوا تو تنگ آ کر ایک دن والدہ نے امام صاحب رحمہ اللہ سے کہا: "یہ یتیم بچہ ہے اور اس کے پاس سوائے اس کے کچھ نہیں جو میں اسے اپنے خرچ کی کمائی سے کھلاتی ہوں، آپ نے اسے بگاڑ دیا۔"

امام صاحب رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا:

"یہ لڑکا علم حاصل کرے گا اور عنقریب فیروزے کی پلیٹوں میں فالودہ کھائے گا۔"

یہ سن کر والدہ کہنے لگیں: "یقیناً آپ سٹھیا گئے ہیں۔"

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب میں قاضی بنا تو ایک دن خلیفہ ہارون رشید کے پاس بیٹھا تھا کہ فیروزے کے پلیٹوں میں فالودہ لایا گیا۔"

خلیفہ کہنے لگے: "اسے چکھئے! یہ ہمارے ہاں کبھی کبھی بنا کرتا ہے۔"

میں نے دریافت کیا: "امیر المؤمنین! یہ کیا ہے۔"

خلیفہ نے جواب دیا: "یہ فالودہ ہے۔"

میں خلیفہ کا جواب سن کر مسکرانے لگا، خلیفہ نے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو میں نے انہیں سارا قصہ سنایا، خلیفہ کہنے لگے: "بے شک علم دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں نفع دیتا ہے۔ اللہ تعالی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر رحم فرمائے کہ وہ دل کی آنکھ سے وہ کچھ دیکھ لیتے تھے جسے ظاہری آنکھ نہ دیکھ سکتی تھی۔"

امام ابو یوسف رحمہ اللہ مہدی، ہادی اور رشید کے زمانے میں منصبِ قضاء پر بھی فائز رہے۔ "قاضی القضاۃ" (چیف جسٹس) کا عہدہ آپ ہی سے شروع ہوا۔

آپ کو "قاضی قضاۃ الدنیا" (دنیا کا چیف جسٹس) کہا جاتا تھا کیونکہ آپ ان تمام علاقوں میں خلیفہ کے نائب سمجھے جاتے تھے جہاں خلیفہ کا حکم چلتا تھا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے تھے:

"امام ابو یوسف میرے سارے اصحاب میں سب سے زیادہ علم والے ہیں۔"

"قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ منصب قضاء سنبھالنے کے بعد ہر دن دو سو رکعت پڑھا کرتے تھے۔"

آپ کے حلقے میں بڑے بڑے علماء آکر بیٹھا کرتے تھے، جن میں سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا انصاف

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اپنے فیصلوں میں کس قدر عدل وانصاف اور احتیاط سے کام لیتے تھے، خود ان ہی کی زبانی سنیے:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مجھے اللہ تعالی سے امید ہے کہ وہ منصب قضاء سنبھالنے کے بعد مجھ سے کسی فریق پر ظلم کرنے یا کسی کی طرف مائل ہونے پر سوال نہیں کریں گے، مگر ایک مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا، جس پر مجھے مؤاخذہ کا ڈر ہے۔ ایک آدمی نے میرے پاس آکر دعوی کیا کہ اس کا باغ امیر المؤمنین خلیفہ ہارون رشید کے قبضے میں ہے۔ میں نے امیر المؤمنین سے اس کے دعوی کے بارے میں استفسار کیا تو امیر المؤمنین نے جواب دیا: "باغ تو میرا ہے اور خلیفہ مہدی نے مجھے خرید کر دیا تھا۔"

میں نے اس مدعی سے کہا: "امیر المؤمنین کا جواب تم نے سن لیا، اب کیا کہتے ہو؟۔"

اس نے امیر المؤمنین سے حلف اٹھانے کو کہا تو انہوں نے انکار کیا، میں نے ان سے کہا: "میں تین دفعہ آپ سے حلف اٹھانے کا کہوں گا، اگر آپ نے حلف اٹھالیا تو ٹھیک، ورنہ میں مدعی کے حق میں فیصلہ کر دوں گا۔"

چنانچہ میں نے تین مرتبہ امیر المؤمنین سے حلف اٹھانے کو کہا اور انہوں نے انکار کیا تو میں نے باغ کا فیصلہ مدّعی کے حق میں کر دیا، اب مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالی مجھ سے یہ سوال نہ کر لیں کہ تم نے انصاف سے کیوں کام نہ لیا اور فیصلے کے دوران ان خلیفہ کو اس آدمی کے ساتھ کیوں نہ بٹھایا؟

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے سینکڑوں لوگوں نے استفادہ کیا، ان میں امام محمد بن حسن، اور احمد بن حنبل، بشر بن ولید، یحی بن معین، علی بن جعد اور عمرو بن ابی عمرو رحمہم اللہ تعالی مشہور ہیں۔

آپ کا وصال ۱۸۲ ہجری میں ۶۹ سال کی عمر میں ہوا۔ بشر بن غیاث رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ میں نے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میں ۱۷ سال امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مصاحب رہا اور ۱۷ سال منصب قضاء پر متمکن رہا اور خیال ہے کہ اب میرا وقت آپہنچا ہے۔''

بشر کہتے ہیں: ''اس کے کچھ مہینے کے بعد آپ رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا۔''

(رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالی

امام شافعی رحمہ اللہ امت مسلمہ کے ان عظیم محسنوں میں سے ہیں جن کی محنت کے پھل سے آج تک امت فائدہ اٹھارہی ہے، ساداتِ یمن کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہونے والے امام بچپن ہی میں شفقت پدری سے محروم ہوگئے تھے، یمن سے والدہ مکہ مکرمہ لے آئیں، یہاں تعلیم کا آغاز کیا، یتیم اور معاشی حالت کے اعتبار سے کمزور گھرانے کا بچہ تعلیمی اخراجات کہاں سے لاتا، وہ خود فرماتے ہیں:

”میں اپنی والدہ کی پرورش میں یتیمی کی زندگی گزار رہا تھا، والدہ کے پاس میرے استاذ کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا، میں استاذ کو اس بات پر راضی کرلیا تھا کہ ان کی عدم موجودگی میں بچوں کی نگرانی میں کروں گا۔“

لکھنے کے لئے ان کو کاغذ میسر نہیں تھا، ایک تھیلا پاس رکھا تھا، صاف قسم کی ہڈی تلاش کرتے اور اس پر لکھتے، جب وہ پُر ہو جاتی تو اس کو تھیلے میں محفوظ کرلیتے، رات کو روشنی کے لئے چراغ کا انتظام ان کی طاقت سے باہر تھا، سرکاری دیوان چلے جاتے اور وہاں کی روشنی میں لکھتے۔

عربی ادب سیکھنے کے لئے وہ ایک عرصہ تک عرب کی بستیوں میں چکر کاٹتے رہے، یہاں تک کہ وہ اشعار ولغت کے علاوہ عرب کے نسب نامے میں بھی امامت کا درجہ پاگئے۔

مردوں کے نسب نامے کا علم تو اکثر کو ہوتا ہے، ایک بار ان کے پاس کچھ لوگ (عورتوں کے نسب نامے) پوچھنے بیٹھ گئے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالی رات بھر جو تفصیل میں لگے تو صبح تک بیان کرتے رہے۔

اللہ جل جلالہ نے ان کو علم کی غیر معمولی محبت نصیب فرمائی تھی، ان سے پوچھا گیا:

''علم کے ساتھ آپ کی محبت کیسی ہے؟'' فرمانے لگے: ''جب کوئی نئی بات کان میں پڑتی ہے تو میرے جسم کا ہر عضو اس کے سننے سے محفوظ ہوا چاہتا ہے۔'' پھر دریافت کیا گیا: ''علم کے لئے آپ کی حرص کتنی ہے؟'' فرمانے لگے: ''سخت بخیل آدمی کو جتنی مال کی حرص ہوتی ہے۔'' پوچھا گیا: ''گم شدہ اکلوتے بیٹے کی ماں اپنے بیٹے کی طلب میں جو کیفیت ہوتی ہے۔'' فرماتے تھے: ''جو قرآن سیکھے گا اس کی قیمت بڑھے گی، جو فقہ میں کلام کرے گا اس کی قدر میں اضافہ ہو گا، جو حدیث لکھے گا اس کی دلیل مضبوط ہو گی، جو حساب میں مصروف ہو گا اس کے رائے میں پختگی آئے گی اور جو اپنے نفس کی حفاظت نہیں کرے گا اس کا علم اس کو فائدہ نہیں دے گا۔''

کھانا کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے، ایک بار سیر ہو کر کھایا تو قے کر دی، فرماتے تھے: ''پیٹ بھر کر کھانے سے بدن بوجھل ہو جاتا ہے، دل ثقیل رہتا ہے، نشاط وذکاوت (چستی، ذہانت) ختم ہو جاتی ہے اور نیند آنے لگتی ہے۔''

رات میں نظام الاوقات کی پابندی تھی ، تین حصے کر دیئے تھے، اول حصے میں لکھتے، دوسرے حصہ میں نماز اور تیسرے میں آرام کرنے کا معمول تھا۔

رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن شریف ختم کرنے کا معمول تھا۔ لایعنی اور بے فائدہ کاموں میں وقت کے ضیاع سے بچنے کی بڑی تاکید کرتے۔ فرماتے تھے: ''غیر مفید کاموں سے بچنے سے دل پر نور چھایا رہتا۔ خلوت اور لوگوں سے الگ رہنے کی ترغیب دیتے کہ وقت ضائع نہ ہو، کم کھانے کی تاکید کرتے کہ زیادہ کھانے سے نیند کا غلبہ ہونے لگتا ہے، احمقوں (بے وقوفوں) کی صحبت سے بڑی سختی سے منع کرتے تھے۔''

فرماتے تھے: ''عالم کو ہر قسم کے مسائل پوچھنے چاہئیں کہ پوچھنے سے جو مسائل معلوم ہوتے ان میں پختگی ہو گی اور جو نہیں معلوم ان کا علم حاصل ہو گا۔''

شہرت کی ناپسندیدگی کا یہ عالم تھا کہ فرماتے: ”میری خواہش ہے کہ لوگ میری کتابوں سے نفع اٹھائیں لیکن انہیں میری طرف منسوب نہ کریں۔“

جب آخری بار بیمار ہوئے، حضرت امام مزنی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ میں نے خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا: ”طبیعت کیسی ہے؟“ فرمانے لگے: ”میں اپنے بھائیوں کو الوداع کہنے والا ہوں اور دنیا سے سفر کے لئے تیار ہو کر اپنی بد اعمالیوں سے مل نے والا ہوں۔ معلوم نہیں میری روح کا ٹھکانہ جنت ہو گا کہ اس کو مبارک باد پیش کروں یا جہنم ہو گا کہ اس کی تعزیت کروں۔“

پھر رونے لگے اور یہ اشعار پڑھے، ذرا آپ بھی پڑھئے کہ کس دل سے نکلے اور دریائے رحمت میں کیسا تلاطم برپا کیا ہو گا:

وَلَمَّا قَسَا قَلْبِيْ ، وَضَاقَتْ مَذَاهِبِيْ	جَعَلْتُ الرَّجَا مِنِّي لِعَفْوِكَ سُلَّمَا
تَعَاظَمَنِيْ ذَنْبِيْ فَلَمَّا قَرَنْتُهُ	بِعَفْوِكَ رَبِّيْ كَانَ عَفْوُكَ أَعْظَمَا
وَإِنْ تَنْتَقِمْ مِنِّيْ فَلَسْتُ بَآيِسٍ	وَلَوْ دَخَلَتْ نَفْسِيْ بِجُرْمِيْ جَهَنَّمَا
إِنِّيْ لَأَتَى الذَّنْبَ أَعْرِفُ قَدْرَهُ	وَأَعْلَمُهُ أَنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ تَرَحُّمَا

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

(خَرَجْتُ مِنَ الْعِرَاقِ فَمَا تَرَكْتُ رَجُلًا أَفْضَلَ وَلَا أَعْلَمَ وَلَا أَرْوَعَ وَلَا أَتْقَى مِنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ)

ترجمہ: "میں نے جب عراق چھوڑا تو وہاں احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی سے زیادہ صاحب فضل و کمال اور بڑا عالم و متقی شخص کوئی نہ تھا۔"

یہ الفاظ امام شافعی رحمہ اللہ جیسے فقیہ نے بغداد چھوڑتے وقت اس شخص کے بارے میں کہے تھے، جسے ہم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔

آپ کا پورا نام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل بن ہلال بغدادی ہے، ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے، ۳ سال کی عمر تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا، شفیق ماں نے تربیت میں کسی کوتائی سے کام نہ لیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف ۴ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور ۷ سال کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کر دی تھی۔

باقاعدہ طلب علم کے لئے بغداد ہی میں موجود شیوخ اور اساتذہ کے سامنے شاگردی اختیار کیا، امام ابو یوسف، سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح اور یحی بن سعید رحمھم اللہ جیسے حضرات آپ کے اساتذہ تھے، لیکن آپ نے سب سے زیادہ استفادہ امام شافعی رحمہ اللہ سے کیا، استاذ اور شاگرد کے درمیاں تعلق مثالی تھا، امام شافعی رحمہ اللہ کے صاحب زادے محمد بیان کرتے ہیں:

"امام احمد رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ کے والد (یعنی امام شافعی رحمہ اللہ) ان چھ لوگوں میں سے ہیں جن کے لئے میں ہر صبح دعا کرتا ہوں۔"

بغداد کے مشائخ سے استفادہ کرنے کے بعد کوفہ، بصرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورۃ، یمن اور شام کے علماء سے بھی فیض حاصل کیا، اہل علم آپ کے علم و کمال کے معترف رہے ہیں۔

امام ابو ثور رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے زیادہ بڑے عالم اور فقہ تھے۔"

علی بن مدینی سے جب کسی نے کہا کہ امام احمد بن حنبل کا اس زمانے میں وہی مرتبہ ہے جو حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا اپنے زمانے میں تھا تو انہوں نے فرمایا:

"نہیں! حضرت سعید بن مسیب کے زمانے میں ان کی طرح کے لوگ موجود تھے، لیکن موجودہ دور میں امام احمد کی کوئی مثال نہیں ہے۔"

حضرت علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالی ان کے بارے میں یہ بھی فرماتے:

"وہ (یعنی امام احمد رحمہ اللہ) ہمارے اور اللہ تبارک و تعالی کے درمیان حجت ہیں، کسی مسئلے میں اگر مجھے ان کا فتوی مل جائے تو میں بلا تکلف اس پر عمل کرتا ہوں۔"

حضرت ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حدیث و سنت میں امام احمد رحمہ اللہ سے بڑا نہ کوئی عالم اور نہ ہی علمائے اسلام میں ان کا کوئی مقابل۔"

آپ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن احمد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میرے والد شب و روز میں ۳۰۰ رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، سخت آزمائشوں کے بعد ضعف کی وجہ سے ۱۵۰ رکعتیں کر دی تھیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ابتلاء و آزمائش

حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا:

"مصائب وابتلاء کا واسطہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ کس سے پڑتا ہے؟" آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "انبیاء اور پھر جو ان کی مشابہت رکھتے ہیں، اللہ تبارک وتعالی آدمی کو اس کے ایمان کے بقدر آزمائش میں ڈالتے ہیں، اگر آدمی کا ایمان کمزور ہو گا تو ابتلاء کا سامنا بھی کم ہو گا اور اگر ایمان قوی ہو گا تو آزمائشیں بھی زیادہ ہوں گی اور یہ آزمائش آدمی کے ساتھ اس وقت تک لگی رہیں گی جب تک کہ آدمی کے سارے گناہ بخش نہ دیئے جائیں۔"

اسی ارشاد نبوی کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر بھی برا وقت آیا اور خلق قرآن کے مسئلے میں اللہ تبارک وتعالی نے امت مسلمہ کو صحیح راستہ دکھانے کے لئے امام صاحب رحمہ اللہ کا انتخاب کیا، چنانچہ امام صاحب رحمہ اللہ نے قرآن کو مخلوق کہنے کا خلیفہ مامون کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اسے غیر مخلوق کہا۔

معتزلہ جو کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا دعوی کرتے تھے، ان کے اس وقت کے رئیس ابن ابی داؤد کو بد قسمتی سے خلیفہ کا قرب حاصل ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں
اہل حق کو خلیفہ نے سزائیں دیں۔

امام احمد کو بھی قید کر لیا گیا، لیکن مامون کی زندگی نے وفا نہ کی اور اس کا انتقال ہو گیا، نیا خلیفہ معتصم باللہ اس مسئلے میں مامون سے بھی زیادہ متشدد نکلا اور اس نے باقاعدہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو سزا میں ۸۰ کوڑے لگوائے جن میں سے ہر کوڑا اتنے زور سے مارا گیا کہ بقول محمد بن اسماعیل بروایت کہ اگر ہاتھی کو بھی مارا جاتا تو وہ بھی چیخ اٹھتا، جب آپ کے ہوش وحواس نے ساتھ چھوڑ دیا تو خلیفہ نے خوفزدہ ہو کر رہائی کا فرمان جاری کر دیا، آپ کی قید کی مدت تقریبا ۲۸ مہینے ہے۔

رہائی کے بعد معتصم کو اتنی سختی برتنے پر ندامت ہوئی اور اس نے گورنر بغداد اسحاق بن ابراہیم کو آپ رحمہ اللہ کی خیریت سے برابر مطلع کرنے پر مقرر کیا، خلیفہ کی طرف سے طبی امداد بھی بہم پہنچائی گئی۔

معتصم کے بعد واثق باللہ نے بھی خلق قرآن کے مسئلے کی وجہ سے بہت سے محدثین اور علماء کو قید وبند اور قتل کی سزائیں دیں، لیکن امام صاحب رحمہ اللہ کی ساتھ کوئی سختی نہیں کی، البتہ آپ کو جلاوطن کر دیا، آپ رحمہ اللہ اس کی خلافت کے زمانے میں روپوش رہے۔

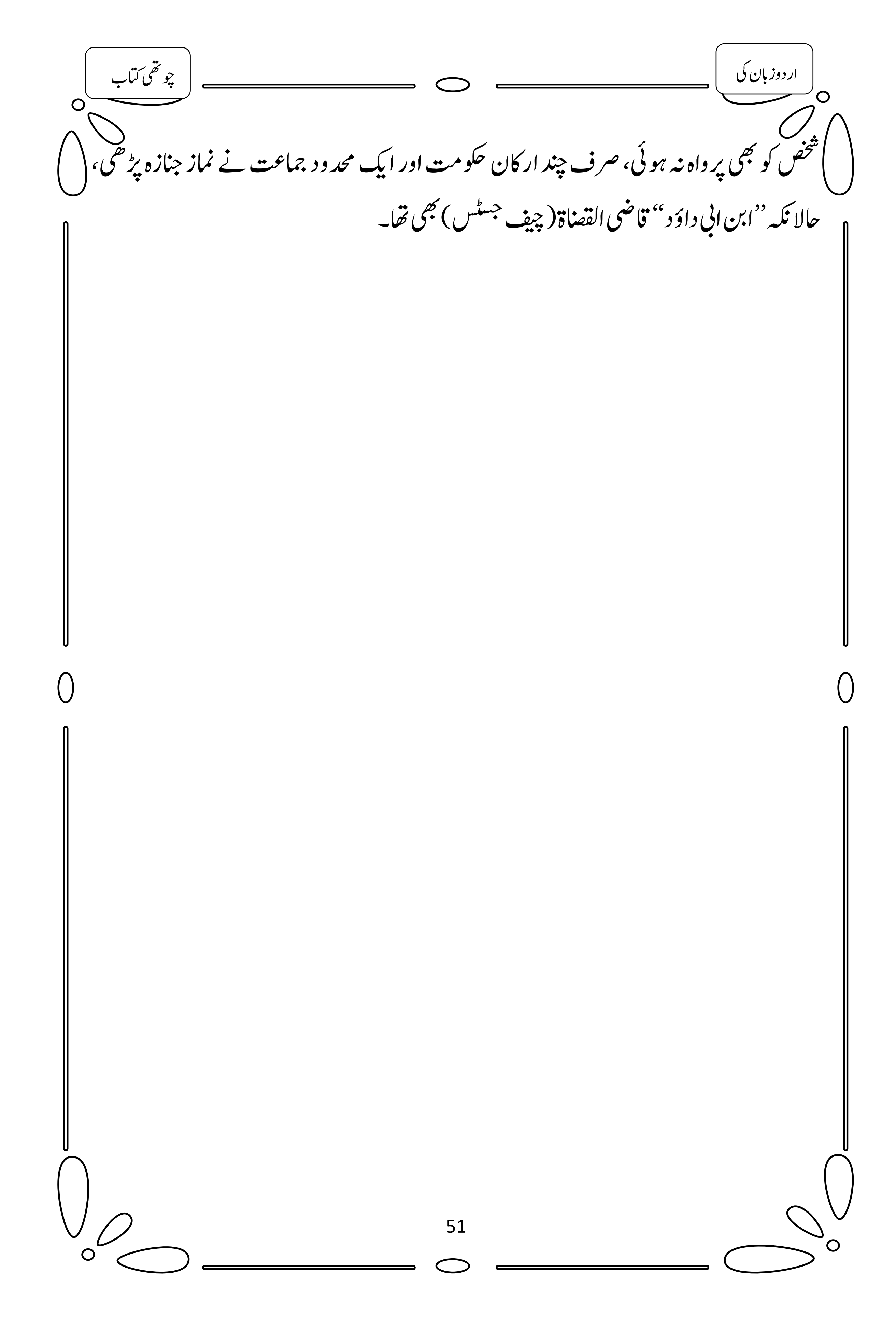
اس کے بعد متوکل خلیفہ بنا، اس نے اپنے پیش روؤں کے برعکس ان تمام عقائد وخیالات کو جو کتاب وسنت کے خلاف تھے، بالکل روک دیا، امام صاحب رحمہ اللہ کے اعزاز واکرام کا فرمان جاری کیا اور یہ اعلان بھی کیا کہ قرآن مجید مخلوق نہیں ہے۔

متوکل آپنے پیش روؤں کی غلطیوں کو تلافی کے لئے ہر وقت آپ کی دلجوئی میں لگا رہتا، معاملات سلطنت اور امور حکومت میں آپ سے مشورے طلب کرتا، مال ودولت اور انعام واکرام سے مالا مال کرنا چاہتا، لیکن اس کا یہ التفات آپ کو پریشان کرتا، اس پریشانی کا اظہار آپ نے اس طرح کیا ہے:

"سَلِمْتُ مِنْهُمْ طُوْلَ عُمْرِيْ ثُمَّ ابْتُلِيْتُ بِهِمْ فِيْ آخِرِهِ"

ترجمہ: "میں زندگی بھر ان سے محفوظ رہا لیکن آخر عمر میں مبتلا ہوگیا۔"

آپ کا وصال ربیع الاول ۲۴ھ میں ہوا، جبکہ آپ کی عمر ۷۷ سال تھی، آپ کے جنازے میں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی آپ کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے سنا تھا: "اہل بدعت اور ہمارے درمیان وجہ امتیاز جنازہ ہے۔" اللہ تبارک وتعالی نے ان کی بات سچ ثابت کر دی، آپ کے سب سے بڑے حریف "ابن ابی داؤد" کی موت کی ایک



شخص کو بھی پرواہ نہ ہوئی، صرف چند ارکان حکومت اور ایک محدود جماعت نے نماز جنازہ پڑھی، حالانکہ "ابن ابی داؤد" قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بھی تھا۔

تہجد پڑھنے کا شوق

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روزانہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھا کرتے تھے۔ ایک دن تہجد کے وقت آنکھ نہ کھلی، یہاں تک کہ تہجد کا وقت نکل گیا۔ چونکہ اس سے پہلے کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوٹی تھی۔ پہلی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ تہجد کی نماز چھوٹ گئی۔ چنانچہ اس کی وجہ سے ان کو اس قدر ندامت اور رنج ہوا کہ سارا دن روتے روتے گزار دیا کہ "یااللہ! مجھ سے آج تہجد کی نماز چھوٹ گئی۔"

جب اگلی رات کو سوئے تو تہجد کے وقت ایک بزرگ نے آپ رضی اللہ عنہ کو تہجد کی نماز کے لئے جگانا شروع کر دیا کہ اٹھ کر تہجد پڑھ لے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ گئے اور اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے؟

اس نے جواب دیا کہ میں بدنام زمانہ ابلیس اور شیطان ہوں۔ حضرت معاویہ نے پوچھا کہ تمہارا کام تو انسان کو غفلت میں مبتلا کرنا ہے۔ نماز کے لئے اٹھانے سے تمہارا کیا کام؟

شیطان نے کہا: اس سے بحث مت کرو، جاؤ تہجد پڑھو اور اپنا کام کرو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، پہلے بتاؤ کیا وجہ ہے؟

مجھے کیوں اٹھایا؟ جب تک نہیں بتاؤ گے، میں نہیں چھوڑوں گا، جب بہت اصرار کیا تو شیطان نے کہا کہ۔۔۔۔

"بات دراصل یہ ہے کہ گزشتہ رات آپ پر میں نے غفلت طاری کر دی تھی، تاکہ آپ کی تہجد چھوٹ جائے اس کے نتیجے میں آپ نے سارا دن روتے روتے گزار دیا اور اس رونے کے نتیجے میں آپ کے اتنے درجات بلند ہو گئے کہ اگر آپ اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھ لیتے تو آپ کے درجات

اتنے بلند نہ ہوتے، یہ تو بہت خسارے کا سودا ہوا، اس لئے میں نے سوچا کہ آج آپ کو اٹھادوں، تاکہ اور زیادہ درجات کی بلندی کا راستہ پیدا نہ ہو۔

فائدہ: دوستو! اللہ تبارک وتعالی کے دربار میں گناہوں پر رونا اور توبہ کرنا کتنا محبوب ہے۔

دوستو! آپ کو معلوم ہے کہ توبہ گناہوں پر کی جاتی ہے اور نفلی نماز (تہجد) چھوڑ دینا گناہ نہیں ہے، لہذا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے گناہ نہیں ہوا تھا کہ توبہ کرتے، لیکن جو خواص اور اللہ تعالی کے قریبی بندے ہوتے ہیں وہ غفلت کے اوقات پر بھی توبہ واستغفار کرتے ہیں اگر انسان سچے دل سے توبہ اور استغفار کرے اور اللہ تبارک وتعالی کے حضور ندامت کے ساتھ حاضر ہو جائے تو بعض اوقات اس میں انسان کے درجات اتنے زیادہ بلند ہو جاتے ہیں کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، لہذا ہمیں بھی چاہئے کہ کوشش کریں کہ کوئی وقت غفلت میں نہ گزرے، اس بات کا عزم کریں کہ فرض نمازیں اور سنت مؤکدہ تو ہر حال میں پڑھنی ہے کیونکہ فرض نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ نفل نماز پڑھنے کا بھی اہتمام ہو، مثلا: اشراق کی نماز، چاشت کی نماز، مغرب کے بعد چھ رکعتیں جنھیں "اَوَّابِیْن" کہا جاتا ہے، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد اور تہجد کی نماز وغیرہ اور اگر ان میں سے کوئی نماز چھوٹ جائے تو فورا توبہ واستغفار کریں اور اللہ تبارک وتعالی سے نیک کاموں پر استقامت کی دعا بھی مانگتے رہیں۔

خندقوں والے

قرآن حکیم میں "سُورَۃُ الْبُرُوجِ" میں "اَصْحَابُ الْاُخْدُودِ" کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

"اُخْدُوْدٌ" کے معنی گڑھے، کھائی اور خندق کے ہیں۔ چونکہ اس واقعہ میں یہ بتایا ہے کہ: کافر بادشاہ اور اس کے ارکانِ سلطنت نے گڑھے کُھدوا کر اور ان میں آگ جلا کر ایمان والوں کو زندہ جلا دیا تھا۔ اسی نسبت سے ان کافروں کو اصحابِ اخدود (خندق والے) کہا گیا۔

گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے دربار میں ایک جادوگر تھا جس کی وہ عزت کرتا تھا جب وہ بوڑھا ہو گیا تو بادشاہ سے اپنی ایک تمنا کا اظہار کیا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور موت کا وقت قریب ہیں۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ ایک ایسے لڑکے کا انتخاب کریں جو ذہین اور سمجھ دار ہونے کے علاوہ وہ اعلی خاندان سے بھی تعلق رکھتا ہو، تاکہ میں اس اپنا یہ فن (جادوگری) سکھا دوں۔

بادشاہ نے ایک ایسے ہی لڑکے کو اس کے سپرد کر دیا۔ اس لڑکے نے اس بوڑھے جادوگر سے سحر (جادو) کی تعلیم سیکھنا شروع کر دی۔ ہر روز یہ لڑکا جادوگر کے ہاں آیا کرتا تھا۔ اسی راستے میں ایک عبادت گزار کی عبادت گاہ پڑتی تھی جس کو آتے جاتے یہ لڑکا دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز اس عابد کو عبادت کرتے دیکھا تو اس کی یہ عبادت لڑکے کو پسند آئی اور اوہ اس کی عبادت گاہ میں داخل ہو گیا اور عابد کے اخلاق و عادات سے متاثر ہوا۔

پھر ہر روز کچھ دیر کے لئے آتے جاتے اس عابد سے ملنے لگا۔ اب جب دیر ہونے لگی تو ساحر اور لڑکے کے گھر والے دیر سے آنے پر غصہ ہونے لگے۔

لڑکے نے عابد سے اس بات کی شکایت کی، عابد نے کہا کہ اس معاملہ کو پوشیدہ رکھنے کی صرف یہی صورت ہے کہ جب گھر والے باز پرس کریں تو یہ عذر کر دینا کہ جادو گر کے ہاں تاخیر ہو گئی اور جب جادو گر ناراض ہو تو کہہ دینا کہ گھر والوں کے پاس تاخیر ہوئی۔

غرض یہ سلسلہ عرصہ تک یوں ہی چلتا رہا اور لڑکا عابد سے دین واخلاق سیکھتا رہا اور جادو گر کے ہاں بھی آتا جاتا رہا۔

ایک دن راستے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک ہیبت ناک اور بہت بڑا درندہ لوگوں کی راہ روکے ہوئے ہے اور کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ وہ سامنے سے گزر جائے۔ لڑکے کے دل میں خیال آیا کہ یہ بہترین وقت ہے اس بات کا کہ میں آزماؤں کہ جادو گر کا مذہب سچا ہے یا عابد کا دین سچا ہے۔

یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور دعا کی الہی! اگر تیرے نزدیک جادو گر کے مقابلے میں عابد کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے اس جانور سے کو ہلاک کر دے۔ یہ کہہ کر اس نے درندے کو پتھر مارا۔

پتھر لگنا ہی تھا کہ وہ موذی جانور اسی وقت ہلاک ہو گیا اور لوگوں نے راستہ پالیا۔

پھر اس لڑکے نے عابد کو سارا قصہ سنایا۔ عابد نے کہا: صاحبزادے! تم مجھ پر سبقت لے گئے ہو، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم کہیں آزمائش میں ڈال دیئے جاؤ۔ اگر ایسا وقت آجائے تو خبر دار میرا ذکر نہ کرنا اور میرے ہاں آنے جانے کی کسی کو خبر نہ کرنا اور تم صبر واستقامت کا دامن کبھی نہ چھوڑنا۔

ادھر بہت جلد لوگوں میں لڑکے کی یہ کرامت اور جرأت مشہور ہو گئی اور یہ خیال عام ہو گیا کہ لڑکے کے پاس عجیب وغریب علم ہے جس کے ذریعے وہ بڑے بڑے کام انجام دے سکتا ہے،

اس پر لوگوں کا ہجوم ہو گیا، پرانے پرانے مریض حتی کہ اندھے اور جذامی آنے لگے، لڑکا اللہ کا نام لے کر انہیں اچھا کر دیتا تھا۔

بادشاہ کا ایک درباری نابینا تھا، اس نے لڑکے کی جو شہرت سنی تو بکثرت تحفے تحائف لے کر اس کے پاس آیا اور بینا کر دینے کی درخواست کی، لڑکے نے کہا: میرے پاس کوئی طاقت نہیں، شفا دینے والا اللہ ہے، اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے لئے دعا کروں گا اور اللہ تبارک وتعالی تمہیں بینائی عطا کر دے گا۔ درباری یہ سن کر اللہ تبارک وتعالی پر ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا، پھر لڑکے کی دعا سے وہ صحیح ہو گیا۔

دوسرے دن جب دربار میں آیا تو بادشاہ کو تعجب ہوا، پوچھا: تجھ کو یہ بینائی کس طرح حاصل ہوئی؟ درباری نے جواب دیا: بادشاہ سلامت! میرے رب نے مجھے شفا دی ہے۔ بادشاہ نے کہا: تیرا رب تو میں ہوں، درباری نے جواب دیا: نہیں بلکہ میرے رب اور تیرے اور کل جہاں کے رب نے شفا دی ہے۔ بادشاہ نے غصّہ میں کہا: کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟

درباری نے کہا: ہاں، اے بادشاہ سلامت! میرا اور تیرا رب وہ ہے جس نے زمین وآسمان اور پوری کائنات کو پیدا کیا ہے۔

اس پر بادشاہ نے اس درباری کو گرفتار کر کے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر دیا۔

آخر کار ایک سخت آزمائش پر درباری نے لڑکے کا قصّہ کہہ سنایا۔ بادشاہ نے لڑکے کو طلب کیا اور پوچھا: بیٹا! مجھے معلوم ہوا ہے کہ سحر کے ذریعے اندھوں کو بینا اور جذامی کو شفا دیتا ہے؟

لڑکے نے جواب دیا: بادشاہ! مجھ میں اتنی طاقت کہاں؟ یہ تو اللہ واحد کے شفا دینے سے شفایاب ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا: کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی اللہ ہے؟

لڑکے نے جواب دیا: ہاں، وہ ذات جو واحد ہے میرا اور تیرا دونوں کا رب ہے۔

پھر بادشاہ نے اس کو بھی تکلیفوں میں مبتلا کر دیا، مجبور ہو کر اس لڑکے نے عابد سے متعلق تمام واقعہ بیان کر دیا۔

بادشاہ نے عابد کو طلب کیا اور اس کو مجبور کرنے لگا کہ وہ اپنے دین سے پھر جائے، مگر عابد نے کسی طرح بھی یہ بات قبول نہ کی۔ آخر کار اس کے سر پر آرا چلوایا جس سے وہ شہید ہو گیا۔

اس کے بعد لڑکے کی جانب متوجہ ہوا کہ وہ بھی عابد کے دین سے پھر جائے، لیکن لڑکے نے صاف صاف انکار کر دیا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو کسی پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر وہاں سے گرا دیا جائے، تاکہ اس کا سر پاش پاش ہو جائے۔ جب سرکاری کارندے لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے تو لڑکے نے دعا کی کہ الٰہی! تو ان لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما! چنانچہ اسی وقت پہاڑ پر زلزلہ آگیا اور سرکاری کارندے گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم بادشاہ کے سامنے حاضر ہو گیا۔

بادشاہ نے پوچھا: تیرے ساتھ والے کہاں گئے؟

لڑکے نے کہا: اللہ تبارک و تعالی نے ان کے مقابلے میں میری مدد کی اور وہ ہلاک ہو گئے۔

بادشاہ نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ اور کسی گہری دریا میں غرق کر دو۔ سرکاری کارندے جب اس کو دریا کے بیچ میں لے گئے تو لڑکے نے پھر وہی دعا کی کہ الٰہی! مجھ کو ان سے نجات دے! دریا میں اچانک طوفان اُٹھا اور وہ سب آدمی غرق ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم بادشاہ کے ہاں جا کھڑا ہوا۔

بادشاہ نے پھر وہی سوال کیا: لڑکے نے وہی پہلا جواب دیا اور پھر کہنے لگا: اے بادشاہ! اس طرح تو مجھ پر ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا۔ البتہ دو تدبیر میں بتا دوں اگر اس کو اختیار کرے تو یقینا تو مجھ کو قتل کر سکتا ہے۔

بادشاہ نے لڑکے سے وہ تدبیر دریافت کی، لڑکے نے کہا:

اے بادشاہ! شہر کی تمام آبادی کو ایک بلند جگہ جمع کر جب سب جمع ہو جائیں تو اس وقت مجھ کو درخت پر سولی دینا اور میرے ترکش سے ایک لے کر بِسۡمِ اللّٰہِ رَبِّ الۡغُلَامِ (اللہ کے نام سے جو لڑکے کا پروردگار ہے) کہہ کر میرے سینے پر مارنا، تب ہی میں مر سکتا ہوں۔

بادشاہ نے لڑکے کی بات پر عمل کیا اور جب تمام اہل شہر جمع ہو گئے تو لڑکے کو سولی پر لٹکا کر لڑکے کی بتائی عبارت بِسۡمِ اللّٰہِ رَبِّ الۡغُلَامِ پڑھ کر تیر مارا گیا۔ لڑکا تیر کھا کر جان بحق ہو گیا۔ اہل شہر نے جب یہ دیکھا تو سب نے بیک آواز نعرہ بلند کیا:

آمَنَّا بِرَبِّ الۡغُلَامِ.

ترجمہ: "ہم لڑکے کے پروردگار پر ایمان لائے۔"

اس طرح پورا شہر مسلمان ہو گیا۔ اہل دربار کہنے لگے: بادشاہ سلامت! جس بات کا اندیشہ تھا آخر وہی ہوا، تمام رعایا مسلمان ہو گئی ہے۔ بادشاہ یہ دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا اور حکم دیا کہ شہر کے ہر محلے اور گلی کوچے میں خندقیں کھودی جائیں اور ان میں آگ دہکائی جائے۔

پھر ہر محلے کے لوگوں کو جمع کیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ دین سے باز آجائیں۔ جو باز آجائیں انہیں چھوڑ دیا جائے اور جو انکار کر دیں ان کو دھکتی اگ میں ڈال دیا جائے۔

چنانچہ لوگ جوق در جوق جمع ہوتے اور سچے دین سے باز نہ رہنے کا اقرار کرتے ہوئے دھکتی آگ میں کود پڑتے اور یہ منظر بادشاہ کے مصاحبوں کو بہت پسند آتا تھا۔

ان ہی لوگوں میں ایک عورت لائی گئی جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا۔ عورت بچے کی محبت میں کچھ تامل کر رہی تھی کہ بچہ معجزانہ طور پر بولنے لگا۔ اماں! صبر سے کام لے اور بے خوف خندق میں چلی جا، تو حق پر ہے اور یہ لوگ باطل پر ہیں۔

اس طرح ظالم بادشاہ کے حکم پر بیس ہزار (۲۰،۰۰۰) سے زائد مظلوم انسانوں کو جام شہادت نوش کرنا پڑا، یہ واقعہ یمن کے شہر نجران میں پیش آیا۔ اس لڑکے کا نام ''عبد اللہ بن ثامر'' اور اس بادشاہ کا نام ''ذو نواس'' اور اصل نام ''ذرعہ'' تھا، لیکن تخت نشین ہونے کے بعد ''یوسف ذونواس'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے باپ کا نام ''تبان اسعد'' اور ''ابو کریب'' کنیت تھی۔

بادشاہ ذونواس نے جس دن نجران میں بیس ہزار (۲۰،۰۰۰) مسلمانوں کو شہید کیا تھا ان میں ''دوس'' نامی آدمی کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگا تھا اور ملک شام میں مقیم قیصر روم کے دربار پہنچ کر نجران کے اس ہوش اُڑانے والے واقعہ کو بیان کیا۔ قیصر روم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ وہ یمن پر فوراً حملہ کر کے ''ذونواس'' کے اس ظلم کا انتقام لے۔ نجاشی نے یمن پر حملہ کیا اور ''ذونواس'' کو شکست دے کر سارے یمن پر قبضہ کر لیا۔ ''ذونواس'' دریا کے راستے ہونے کی کوشش میں غرق ہو گیا۔

فائدہ: دیکھا دوستو! ایک چھوٹے سے بچے نے دین کے لئے اپنی جان قربان کی جس کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ہزاروں لوگوں کو دین کی دولت سے مالا مال کیا۔ ہمیں بھی دین کے لئے ہر وقت ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اور یہ بات یاد رکھیے کہ جو زندگی بھر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے اللہ اس کی موت کو بھی لوگوں کی ہدایت کا سبب بنا دیتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالی

ایک فرزند ایسا

امام غزالی رحمہ اللہ تعالی سے کسی نے پوچھا: آپ غم زدہ کیوں نظر آرہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے اس وقت اپنی والدہ محترمہ کی نصیحت یاد آگئی، بس والدہ کی یاد نے غم زدہ کر دیا۔ انہوں نے نصیحت کی تھی: بیٹا علم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

امام محمد غزالی اور امام احمد غزالی رحمہا اللہ تعالی دونوں حقیقی بھائی تھے۔ والد صاحب بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ والدہ سوت کات کر گزر بسر کرتی تھیں۔ وہ بے چاری اپنے بیٹوں کو کیا تعلیم دلواتیں۔

اِدھر شوہر نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی۔ میرے پیارے بیٹوں کو تعلیم ضرور دلوانا۔ وہ پریشان رہتی تھیں کہ تعلیم کس طرح دلائیں۔

ان کے شوہر کے ایک دوست تھے۔ انہیں اپنے دوست کا حال معلوم تھا، لیکن وہ بھی غریب آدمی تھے۔ جیسے تیسے کر کے ماں نے ان کی تعلیم کا انتظام کر ہی دیا۔ ان دونوں کو کوفہ کے ایک بڑے عالم احمد رحمہ اللہ تعالی اور جرجان کے مشہور عالم ابو نصر اسماعیل رحمہ اللہ تعالی سے تعلیم دلوائی۔

ابو نصر اسماعیل رحمہ اللہ تعالی سے تعلیم حاصل کر کے امام محمد غزالی رحمہ اللہ اپنے گھر جارہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ مال واسباب بھی لوٹ لیا۔ تعلیم حاصل کرنے کے دوران جو کچھ ساتھ ساتھ لکھتے رہتے تھے، ڈاکو وہ بھی لے گئے۔ خالی ہاتھ گھر پہنچے، والدہ محترمہ کو اپنا دکھ سنایا۔

تعلیم والی کتاب کے ہاتھ سے چلے جانے کے بارے میں انہیں بتایا۔ اس پر ماں نے کہا: بیٹا! وہ تعلیم کیسی تھی۔ جو ڈاکوؤں نے لوٹ لی، کیا میں نے ایسی تعلیم کے لئے بھیجا تھا۔

امام محمد غزالی رحمہ اللہ کے دل پر چوٹ لگی۔ ڈاکوؤں کی تلاش میں نکلے۔ آخر ڈاکوؤں تک پہنچ گئے۔ ان کی منت سماجت کی کہ ان کی کتاب انہیں دے دیں۔

ڈاکوؤں کا سردار ان کی بات سن کر بولا: تمہاری والدہ نے درست کہا ہے تم نے خاک سیکھا ہے، یہ لو اپنی کتاب، تمہاری ماں کے کہنے پر دے دیتا ہوں۔

ماں کی بات پہلے ہی دل میں اتر چکی تھی، اب ڈاکوؤں کے سردار کی بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ تمام علم جو ہاتھ سے لکھا تھا، اس کو حفظ کیا، یعنی دماغ میں محفوظ کیا، اس طرح سوت کاتنے والی ماں کا بیٹا وقت کا امام بنا اور وقت کے بڑے علماء کی فہرست میں شامل ہوا اور ماں نے اس امت کے لئے ایسا فقیہ بیٹا چھوڑ کر آخرت کی راہ لی۔

فائدہ: دوستو! کہتے ہیں "ہر اچھی بات جو تم سنو اسے لکھ لو اور جو لکھو اسے یاد کرلو، تو یہ تین کام ہوئے:

(۱) اچھی بات سننا، یعنی غلط بات، جھوٹی بات، غیبت اور چغل خوری کی بات وغیرہ نہیں سننا ہے۔

(۲) سننے کے بعد یاد کرنا۔

(۳) یاد کرنے کے بعد اس پر عمل کرنا۔

اگر روزانہ آدمی ایک اچھی بات یا ایک حدیث یاد کرے گا تو مہینے میں کتنی ہوں گی؟ اور چھ مہینے میں کتنی ہوں گی؟ پھر سال میں کتنی ہو جائیں گی؟ ذرا حساب تو لگائیں۔

اگر آپ ایسا کرتے رہیں گے تو یقینا آپ ایک بڑے آدمی بن جائیں گے اور لوگ آپ کی معلومات پر حیران ہوں گے اور آپ کے پاس احادیث کا ذخیرہ محفوظ ہو جائے گا۔

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا

گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی

تو چل بسی میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا

علامہ اقبال رحمہ اللہ

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

وہ بڑا عابد تھا، اس کی خواہش یکسوئی سے عبادت کرنے کی تھی، اس لئے وہ راتوں کو اٹھ کر مسجد میں آجایا کرتا تھا تاکہ گھر میں بچوں کے رونے کی آواز نہ آئے اور کسی بھی قسم کے خلل سے محفوظ ہو جائے۔

آج رات بھی وہ معمول کے مطابق تہجد کے لئے گھر سے مسجد آیا تھا، مگر آج کی رات مسجد میں کوئی سو رہا تھا، ایک گوشہ میں جاکر نماز شروع کی، لیکن یہ مسافر جو تھکن سے چور چور تھا، اب جو نیند کا موقع میسر آیا تو بے سدھ ہو کر گہری نیند سو رہا تھا اور زور زور سے خراٹے لے رہا تھا، ان خراٹوں کی وجہ سے عابد کی نماز میں وہ یکسوئی پیدا نہیں ہو رہی تھی جو وہ چاہ رہا تھا، عابد نے نماز توڑ دی اور مسافر کو جگا کر سمجھایا کہ خراٹے نہیں لینا، پھر نماز شروع کر دی، مگر خراٹے لینا اس کے بس کی بات نہ تھی، دوبارہ جلد ہی خراٹے شروع ہو گئے، اس نے پھر نماز توڑ دی، پھر سمجھایا اور نماز شروع کر دی، لیکن پھر خراٹے کی آواز نماز میں خلل ڈال رہی تھی، اب کی بار اس عابد نے نماز توڑ دی تو غصہ سے بپھرا ہوا تھا، چھرا لے کر اس مسافر کے پاس گیا اور اس کو ہمیشہ کے لئے ایسا سلایا جس کے بعد نہ اس کو جگانے کی ضرورت تھی اور نہ خراٹے کی آواز کی آمد کوئی سلسلہ ہو سکتا تھا، پھر فراغت اور جمع خاطر کے ساتھ خشوع و خضوع کا لحاظ کر کے تہجد پڑھتا رہا۔

صبح جب لوگوں نے پوچھا کہ اس بے چارے کو کس نے قتل کیا؟ تو اس عابد نے لوگوں کو سمجھایا کہ یہ میری نماز میں خلل ڈال رہا تھا، اس لئے یہ کارنامہ میں نے انجام دیا۔

جب میں نے یہ واقعہ پڑھا تو مجھے بڑا تعجب ہوا اور عابد کی اس گھٹیا حرکت پر غصہ آرہا تھا اور اس کی حماقت پر ہنسی بھی مگر اب مجھے تعجب نہیں ہوتا، اس کی حماقت پر ہنسی بھی نہیں آتی، بلکہ اب میں اسے ایک گونہ مجبور خیال کرتا ہوں۔

ہاں ۔۔۔ جب میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جن کو لوگ مسلمان کہتے ہیں، جو اپنے دین کو باعث نجات سمجھتے ہیں جو لوگوں کو دین کی تلقین کرتے ہیں۔

ہاں ۔۔۔ جب ان لوگوں کو دیکھتا ہوں یا ان کے بارے میں سنتا ہوں کہ وہ اپنے افسرانِ اعلی کو خوش کرنے کے لئے اپنے ماتحت افراد کے ساتھ ایسے سلوک کرتے ہیں جن کو دیکھ کر، سن کر لوگ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔

میں سوچتا ہوں کہ اس عابد نے اپنے زعم میں اپنی خالق کو خوش کرنے کے لئے ایسی غلطی کی تھی، لیکن یہاں تو مخلوق کو خوش کرنے کے لئے ایسی حرکت ہو رہی ہے۔ اس عابد سے دائمی راحت کے حصول کے لئے ایسی لغزش سرزد ہوئی تھی، یہاں دنیوی چند روز لذت حاصل کرنے کے لئے اس کو باعث سعادت سمجھا رہا ہے۔

اے میرے بھائی اگر آپ بھی اس میصبت میں مبتلا ہیں، اگر آپ بھی کسی خوشامد پسند کے زیر دست ہیں اور ان کی خوشامدی کی سزا میں آپ گرفتار ہیں تو زیادہ پریشان نہ ہونا، اور اس بات سے تسلی حاصل کرلینا کہ: ایک دن قیامت ضرور قائم ہوگی، اس وقت انصاف کا ترازو لایا جائے گا، آج تم جو ظلم ہو رہا ہے اس پر نیکیوں کے انبار سے تیرا اکرام ہوگا، اس وقت کے لئے ظلم سہل لیں، کیونکہ یہ آخری زمانہ شر و فتن کا زمانہ ہے، اس میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین کے طریقوں سے ہٹے ہوئے ہوں گے، ان کا فعل ان کے دعوے کے خلاف ہوگا اور ان کے کام ایسے ہوں گے جس کے لئے شریعت نے کوئی حکم نہیں دیا۔

ہاں! ہمارے لئے اس میں سبق ہے کہ اپنے ماتحت کے ساتھ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے ہم نالاں ہیں، کیونکہ یہ مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا اور آدمی اس وقت تک کامل مؤمن ہی نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی

"اے استاذوں کے استاذ اور محدثین کے سردار! مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کروں۔"

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس عقیدت کا اظہار اس شخص کے بارے میں کیا ہے جس کا پورا نام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم الجعفی البخاری ہے، لیکن آپ امام بخاری کے نام سے مشہور ہیں۔

وہ کون ہو گا کہ جو امام بخاری رحمہ اللہ سے واقف نہ ہو؟

امیر المؤمنین فی الحدیث کہلائے جانے والے امام بخاری رحمہ اللہ تعالی ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بخارا میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ کی تربیت ونگرانی میں حاصل کی، بچپن میں آپ کی بصارت زائل ہوگئی تھی جس کی وجہ سے مشفق والدہ مضطرب رہتیں اور اللہ تبارک وتعالی سے اپنی حاجت کا اظہار کرتیں، ایک دن خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی کہ آپ علیہ السلام فرمارہے ہیں: "حق تعالی نے آپ کی گریہ وزاری کی وجہ سے آپ کے بیٹے کو بصارت عطا فرمادی ہے۔" صبح اٹھیں تو بیٹے کو بینا پایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سولہ سال کی عمر میں حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ حفظ کرلیا تھا، حد تو یہ ہے کہ آپ کو ستر ہزار (۷۰۰۰۰) احادیث اس وقت یاد تھیں جبکہ آپ بچے ہی تھے ذرا یہ واقعہ ملاحظہ کیجئے:

"ایک مرتبہ امام داخلی رحمہ اللہ تعالی لوگوں کو حدیث املاء کروا رہے تھے، آپ نے سند بیان کی:

"سُفْیَانُ عَنْ اَبِي الزُّبَیرِ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ".

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی جو ایک کونے میں تشریف فرما تھے فورا کہنے لگے: "ابو الزبیر نے ابراہیم سے کبھی روایت نہیں کی۔" امام داخلی رحمہ اللہ تعالی نے چھوٹا سمجھ کر توجہ نہ دی۔

تو امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: "اصل بیان ملاحظہ فرمالیں" چنانچہ داخلی رحمہ اللہ تعالی گھر گئے اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالی کے قول کو صحیح پایا، واپس آکر امام صاحب سے پوچھا کہ صحیح کیا ہے؟

امام صاحب رحمہ اللہ تعالی نے جواب دیا: صحیح "سُفْیَانُ عَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ عَدِیٍّ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ" ہے۔ امام داخلی رحمہ اللہ تعالی یہ سن کر حیران رہ گئے اور فرمایا: "واقعی یوں ہی ہے۔" پھر آپ نے اس کی تصحیح فرمائی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی سے کسی نے پوچھا: "اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟؟"

فرمایا: "۱۱ سال۔"

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے شیوخ کی تعداد تقریبا ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) ہے، لیکن آپ کا فضل و کمال اسحاق بن راہویہ اور علی بن المدینی رحمہا اللہ تعالی کے فیضانِ تعلیم کا ممنون ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کی قدر و منزلت کے معترفین اور آپ کے مدح خواں بے شمار ہیں۔

قُتیبہ بن سعید رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: "میں فقہاء، علماء اور صوفیاء کا ہم نشین رہا ہوں، لیکن میں نے محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ تعالی جیسا شخص نہیں دیکھا، ان کا اپنے زمانے میں وہی رتبہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں تھا۔

اسی طرح ایک شخص حضرت قتیبہ رحمہ اللہ تعالی کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آیا اسی وقت امام بخاری رحمہ اللہ تعالی بھی تشریف لے آئے۔ حضرت قتیبہ رحمہ اللہ تعالی نے امام صاحب کی طرف اشارہ کرکے اس شخص سے کہا: "یہ شخص احمد بن حنبل رحمہ اللہ، اسحاق بن راہویہ اور علی بن المدینی

رحمہم اللہ تعالیٰ کا مجموعہ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں تمہارے لئے بھیجا ہے، لہذا جو پوچھنا ہے، ان سے پوچھو۔"

علامہ بیکندی رحمہ اللہ تعالیٰ جو آپ کے اساتذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں: "جب امام بخاری میری مجلس میں حاضر ہوتے ہیں تو میں حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔"

ابو عمرو الخفاف رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے: "محمد بن اسماعیل (امام بخاری) حدیث میں اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے کئی درجے بڑھے ہوئے ہیں، اگر کوئی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کچھ کہتا ہے تو میری طرف سے اس پر ایک ہزار مرتبہ لعنت ہے۔"

امام بخاری نے کئی یادگار تصنیفات فرمائیں جن میں سے ہر ایک عظیم الشان ہے، لیکن جس قدر شہرت و عزت "صحیح بخاری" کو حاصل ہوئی اس طرح نہ امام صاحب کی کسی اور کتاب کے حصے میں آئی اور نہ کسی دوسرے مصنف کی کوئی کتاب اس درجے تک پہنچ سکی۔

بخاری "اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللہِ" (یعنی قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب) کے درجے پر فائز ہے، اس کتاب کی تالیف میں سولہ سال کا عرصہ لگا اور یہ کتاب اس درجے تک کیوں نہ پہنچے، حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کتاب لکھنے کے زمانے میں یہ معمول رہا کہ جب آپ کسی حدیث کے لکھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے غسل فرماتے اور پھر دو رکعت استخارے کی نیت سے نماز پڑھتے اور پھر پورے اطمینان کے بعد اس حدیث کو اپنی صحیح میں شامل کرتے۔ صحیح بخاری میں تقریباً دس ہزار (۱۰۰۰۰) احادیث ہیں، اس کا مطلب یہ ہو کہ اس کتاب کے لکھنے کے زمانے میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہزار (۱۰۰۰۰) مرتبہ غسل فرمایا اور بیس ہزار (۲۰۰۰۰) رکعت نفل پڑھیں، اسی ایک بات سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بلند مرتبے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا دورِ امتحان

جیسا کہ اللہ جل شانہ کا طریقہ ہے کہ ابتلاء اور آزمائش اکثر و بیشتر صلحاء اور پرہیز گاروں پر آتی ہیں اور جیسے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ".

ترجمہ: "دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی دو بڑی آزمائشیں آئیں۔

پہلی آزمائش نیشاپور میں پیش آئی جب بعض لوگوں نے امام صاحب کے ساتھ ایک مسئلے میں اختلاف کیا، مجبوراً امام صاحب کو نیشاپور کو خیر باد کہنا پڑا، یہاں سے آپ اپنے وطن بخارا آگئے، اہل بخارا نے عظیم الشان استقبال کیا۔

آپ کی دوسری آزمائش بخارا میں پیش آئی جس کے نتیجے میں آپ جلاوطن کر دیئے گئے، اس کے سبب میں مختلف اقوال ہیں، غالب خیال یہی ہے کہ امیر بخارا خالد بن احمد نے آپ سے کہا: "محل میں تشریف لا کر اپنی تصنیف سے استفادہ کا موقع دیں یا یہ مطالبہ کیا کہ قصر شاہی میں آکر شہزادوں کو تعلیم دیں۔"

آپ نے امیر کے اس حکم کو یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا کہ میں علم کی بے عزتی نہیں کرنا چاہتا، اگر کسی کو استفادہ کرنا ہو تو میری مجلس میں آئے، امیر بخارا نے اس بات پر ناراض ہو کر آپ کو بخارا سے چلے جانے کا حکم دیا، یہاں سے آپ سمرقند کے ایک گاؤں "خرتنگ" اپنے بعض اعزۃ کے پاس تشریف لے آئے اور مخلوق کی سازشوں سے تنگ آکر خالق حقیقی سے ملنے کے لئے بے چین رہنے لگے۔

(اَللهم إِنَّهُ قَدْ ضَاقَتْ عَلَيَّ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فَاقْبِضْنِيْ إِلَيْكَ)

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھ پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو گئی ہے، لہذا مجھے اپنے پاس بلا لیجئے۔“

ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا، وصال نماز عشاء کے قریب ہوا۔

یہ تاریخ یکم شوال المکرّم ۲۵۶ھ تھی، عید کے دن ظہر کی نماز کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی، اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی، اس طرح امت مسلمہ کا یہ عظیم محسن بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔

(رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَرَضِيَ عَنْهُ وَجَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُ).

”اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو جائے اور جنت کو ان کا ٹھکانہ بنائے۔“

عبد الواحد بن ادم الطور اویسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی کہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں، میں نے سلام کے بعد دریافت کیا:

”اے اللہ کے رسول! آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔“

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

”ہم محمد بن اسماعیل کا انتظار کر رہے ہیں۔“

کچھ دن بعد مجھے امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے وصال کی خبر پہنچی تو ساعت انتقال وہی تھی جب میں نے خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کی تھی۔“

کارنامے بڑے، خواہشیں کم

پیارے بچو! نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے ہی اعلیٰ صفات اور بے مثال خوبیوں کے مالک تھے۔ انہوں نے واقعی طور پر اپنی جانوں اور مالوں کا اللہ تعالیٰ سے سودا کر لیا تھا، اس لئے اب وہ اپنے کسی بڑے سے بڑے عمل، بڑے سے بڑے کارنامے اور بڑی سے بڑی قربانی کا صلہ اور انعام کسی سے نہیں مانگتے تھے، بلکہ اگر انہیں کوئی صلہ اور انعام پیش کیا بھی جاتا وہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضاو خوشنودی اور جنت کے مزوں کی خاطر دنیا کے مزوں کو چھوڑ دیا تھا۔ دنیا کے مال اور اس کے عیش وآرام اور لذتوں کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔

وہ روکھا سوکھا کھاتے، موٹا جھوٹا اور پھٹا پرانا پہننے پر بھی راضی تھے، سادہ اور کچے گھروں میں رہتے اور معمولی سامان کے ساتھ وقت بسر کرتے، لیکن اسی بے سروسامانی، سادگی اور فقیرانہ زندگی کے ساتھ ایسے بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے جو دنیا کے خزانوں اور سامان عیش کے انبار رکھنے والوں سے نہ بن پڑتے۔

ان کے پاس دنیا کی کمی اس لئے نہیں تھی کہ وہ دنیا کمانے اور جمع کرنے کے طریقے نہیں جانتے تھے، یا دنیا ان کے پاس آتی ہی نہیں تھی، بلکہ ان کے ہاں مال ودولت اور عیش کے سامانوں کی کمی اس لئے تھی کہ وہ دنیا کے خزانوں اور عیش کے طالب نہیں تھے، انہوں نے دنیا دوسروں کے لئے چھوڑ کر اپنے لئے آخرت کا انتخاب کر لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے اجر پر نظریہ نے ان کے اندر عمل کا بے مثال جذبہ اور بڑے بڑے معرکے فتح کرنے کی بے پناہ قوت بھر دی تھی، وہ دنیا کمانے میں بہت پیچھے اور آخرت کا

اجر سمیٹنے میں بہت آگے تھے، ان کے گھروں میں مال و دولت اور سامان عیش کا کوئی نشان نہیں ملتا تھا، لیکن ان کے اعمال نامے اللہ تعالی کی رضا اور دین کی سر بلندی کے لئے انجام دیئے گئے بڑے بڑے کارناموں سے پُر ہوتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو فاتح مصر ہیں، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے انہیں ایک صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کے ذریعے بلا بھیجا اور فرمایا کہ ان سے کہیں کہ ہتھیار باندھ کر حاضر ہوں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ ہتھیار باندھ کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں ایسی جگہ پر نہ بھیجوں کہ جہاں سے تم خود بھی باسلامت لوٹو اور ساتھ مالِ غنیمت بھی لے کر آؤ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں مال کے لئے تو ایمان نہیں لایا ہوں" یعنی میں مال کی خاطر نہیں بلکہ اللہ تعالی کی رضا کی خاطر جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اچھا مال اللہ تعالی کے صالح بندے کے لئے اچھا ہے۔" یعنی جہاد میں مال غنیمت کا لینا اخلاص کے خلاف نہیں ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ جن کو دربارِ نبوی ﷺ سے "امت کے امین" کا لقب عطا ہوا، یہ بہت بڑے مجاہد اور فاتح تھے، ملکِ شام ان کی نگرانی اور انتظام میں فتح ہوا، بیت المقدس کی فتح کی سعادت بھی اللہ تعالی نے ان کے حصّہ میں لکھی تھی۔

جب بیت المقدس فتح ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہوئے، جب آپ شہر کے قریب پہنچے تو مجاہد لشکر آپ کے استقبال کے لئے بڑی تعداد میں آئے، آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو نہ پا کر پوچھا: "اَیْنَ اَخِیْ"؟ میرا بھائی کہاں ہے؟ لوگوں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟

فرمایا: ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں، اتنے میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی اونٹنی پر سوار حاضر ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ میرے بھائی، میرے بھائی کہتے ہوئے آگے بڑھے اور ان سے گلے ملے، حال پوچھا اور پھر ان کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ جیسے عظیم فاتح جرنیل کی قیام گاہ پر سوائے تلوار، ڈھال اور اونٹ کے کجاوے کے اور کوئی سامان نہیں ہے، بدن پر بھی وہی سادہ اور معمولی لباس ہے جو مدینہ منورہ میں پہنا کرتے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا:

"ابو عبیدہ! کچھ ضروری سامان تو گھر میں رکھ لیتے" حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی نے جواب میں فرمایا: "امیر المؤمنین! ایک مجاہد کے لئے یہی سامان کافی ہے۔"

ملکِ شام اور بیت المقدس کی فتح کا عظیم کارنامہ انجام دینے والے عظیم جرنیل کی دنیا یہ تھی۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے۔

"ان کی امیدیں کم اور ان کے ارادے بڑے۔"

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
چلیں دریا پہ اور ہر گز نہ کپڑوں کو لگے پانی

علامہ اقبالؒ

کسی بھی تصنیف سے پوری طرح لطف اٹھانے کے لئے اس کے مصنف کے حالات سے واقفیت ضروری ہے، مشہور نظم ''سارے جہاں سے اچھاہندستان ہمارا'' اقبال لکھی ہوئی ہے۔اس مضمون میں ان کی زندگی سے مختصر اواقف کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگر تم سے پوچھا جائے کہ اردو کے دو بڑے شاعر کون ہیں تو تم غالبا جواب میں کہوگے ''غالب اور اقبال'' اور تمہاراجواب یقینا صحیح ہوگا۔غالب اور اقبال اردو کے دو ایسے نامور شاعر ہیں جن کی بدولت اردوزبان اور اردوشاعری کانام دنیاکے گوشے گوشے میں پہنچ گیاہے۔

غالب اور اقبال کی شاعری کو دنیا بھر میں اس قدر پسند کیا جاتاہے کہ اکثر ملکوں میں ان کی نظموں اور غزلوں کے ترجمے لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکے ہیں،دراصل بڑاشاعر یابڑافنکار کسی ایک ہی ملک کا ہوکے نہیں رہ جاتابلکہ وہ ساری دنیا کی محبوب شخصیت بن جاتاہے ۔جیسے شکسپیئر، ملٹن، پشکن، حافظ، سعدی، فردوسی، کالی داس، تلسی داس، گوئٹے، ڈانٹے وغیرہ۔

اقبالؒ اردو اور فارسی کے ایک نامور شاعر تھے، لیکن شاعر ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وہ ایک عالمگیر شہرت رکھنے والے فلسفی بھی تھے۔اقبال ۹/نومبر/۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔اقبال کے والد کوئی امیر آدمی نہیں تھے، لیکن انہوں کے اقبالؒ کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ دی۔اقبالؒ خود بھی ذہین تھے۔پڑھائی سے انہیں بڑی رغبت اور وقت ضائع کرنے سے نفرت تھی ۔اقبالؒ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ ہی میں حاصل کی اور انٹر میڈیٹ پاس کرنے کے بعد لاہور آئے،یہیں سے بی۔اے اور ایم۔اے کا امتحان نہایت امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔

یوں تو اقبالؒ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا، اور اسکول کے زمانے ہی میں ان کی شاعری کا آغاز ہو گیا تھا، لیکن لاہور کی فضا میں ان کی شاعری کو پھلنے پھولنے کا بہت موقع ملا۔ جہاں تک مختلف زبانوں پر عبور کا تعلق ہے، اقبالؒ اردو، فارسی اور انگریزی کے علاوہ عربی اور جرمن میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ہندی اور سنسکرت سے بھی آشنا تھے۔ اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں ہر وقت مطالعہ میں رہتی تھیں۔

لیکن اتنے بڑے عالم اور فلسفی ہونے کے باوجود بہت ہی شگفتہ مزاج انسان تھے۔ ان کے ملنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، ہر شام کو ان کے یہاں احباب کی محفل جمتی تھی۔ اس میں علمی اور ادبی بحثوں کے ساتھ ہی ساتھ لطیفوں کے چمن بھی کھلتے تھے۔ ایسے موقعوں پر اقبالؒ باتوں ہی باتوں میں علم ادب ایسے نکتے اور اسرار کھلتے تھے جو موٹی موٹی کتابیں پڑھنے کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکیں اور بعض دفعہ کوئی ایسا لطیفہ چھوڑ دیتے تھے کے ساری محفل زعفران زار بن جاتی تھی۔

اپنے ملک و قوم کے بچوں کے مستقبل سے اقبالؒ کو بڑی دلچسبی تھی، بچوں کی ذہنی تربیت کے لئے ایسے مضامین بھی لکھے جنہیں پڑھ کر قوم بچوں کی بہبود کی طرف متوجہ ہو سکتی ہے اور ایسی دلکش نظمیں بھی کہیں جنہیں بچے شوق سے پڑھ کر اور ان میں بیان کی ہوئیں عمل کر کے اپنے ملک ہی کے نہیں بلکہ دنیا کے اچھے شہری بن سکتے ہیں۔ اقبالؒ کا سب سے مقبول مجموعہ کلام ”بانگ درا“ ہے۔ اس کے علاوہ ”بال جبرئیل“ اور ”ضرب کلیم“ دوسرے مجموعوں کے نام ہیں۔ آخر عمر میں اقبال کی صحت اچھی نہیں رہی، اور ہمارا یہ باکمال شاعر ۲۱/ اپریل / ۱۹۳۸ء ہم سے بچھڑ گیا۔

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بات فرماتے تھے، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے، فرماتے تھے:

”بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اس وقت کیا تقاضا ہے؟ بس! اس تقاضے کو پورا کرو، اس کا نام دین ہے، اس کا نام دین نہیں کہ مجھے فلاں چیز کا شوق ہو گیا ہے، اس شوق کو پورا کر رہا ہوں، مثلاً: کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں ہمیشہ صف اوّل میں نماز پڑھوں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں جہاد میں جاؤں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں تبلیغ و دعوت کے کام میں نکلوں، اگرچہ یہ سب دین کے کام ہیں، اور باعث اجر و ثواب ہیں، لیکن یہ دیکھو کہ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے، مثلاً: گھر کے اندر والدین بیمار ہیں اور انہیں تمہاری خدمت کی ضرورت ہے، لیکن تمہیں تو اس بات کا شوق لگا ہوا ہے صفِ اوّل میں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں اور والدین اتنے بیمار ہیں کہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اب اس وقت تمہارے لئے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے تقاضا یہ کہ صف اوّل کی نماز کو چھوڑ دو اور والدین کی خدمت انجام دو، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور نماز گھر کے اندر تنہا پڑھ لو، اب اگر اس وقت تم نے والدین کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں اور تم اپنا شوق پورا کرنے کے لئے مسجد میں چلے گئے اور صف اول میں جا کر شامل ہو گئے تو یہ دین کی اتباع نہ ہوئی بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہوا۔“

فائدہ:

پیارے دوستو! شریعت کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے دوران یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس وقت اللہ تبارک وتعالی کا فوری حکم کیا ہے؟ بعض اوقات دو اعمال ایک ساتھ سامنے آجاتے ہیں، جن میں سے ایک عمل زیادہ ضروری ہوتا ہے اور موقع کے لحاظ سے اس کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے تو اللہ تبارک وتعالی اس کو کرنے پر راضی ہوں گے، اس وقت محض اپنی طبیعت یا شوق کے مطابق دوسرے عمل میں لگنا صحیح نہیں، اس نکتے کو ہمیشہ یاد رکھئے گا۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے
جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سُو نمونے
مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بُو نے
کبھی غور سے بھی دیکھا ہے تو نے
جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سُونے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے
ملے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے
مکیں ہو گئے لا مکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے
اجل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دارا
اسی سے سکندر سا فاتح بھی ہارا

ہر ایک چھوڑ کے کیا کیا حسرت سدھارا
پڑا رہ گیا سب یہیں ٹھاٹ سارا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے
تجھے پہلے بچپن میں برسوں کھلایا
جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا ستایا
اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے
یہی تجھ کو دھُن ہے رہُوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا؟
تجھے حسنِ ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
کوئی تیری غفلت کی ہے انتہا بھی؟
جنون چھوڑ کر اب ہوش میں آ بھی
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے
خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ

